30/-

(1)

امامِ حسن علیہ السلام

ان کے عہد کا سیاسی و ثقافتی تجزیہ

نیّر ندیم

30/-

امامِ حسن علیہ السلام

ان کے عہد کا سیاسی و ثقافتی تجزیہ

نیّر ندیم

نام کتاب :۔ امام حسن علیہ السلام
(ان کے عہد کا سیاسی و ثقافتی تجزیہ)

تالیف :۔ تنویر ندیم

ناشر :۔ اِدارہ احیاءِ تراثِ اسلامی

تعداد :۔ ایک ہزار

سنِ طباعت :۔ اگست ۱۹۸۷ء

مطبوعہ :۔

قیمت تیس ۳۰ روپئے

اسٹاکسٹ

احمد بکسیلرز

۲۰/۱۸-۷ فیڈرل "بی" ایریا۔ کراچی ۳۸

فون ۶۸۴۹۲۴

فہرست

حضرت امام حسن علیہ السلام
ان کے عہد کا سیاسی اور ثقافتی تجزیہ

اقوال امام حسنؑ

بے ادب بے عقل ہے۔
ابتدا اچھی ہے تو انجام بھی اچھا ہو گا۔
عقل مندی یہی ہے کہ بندگانِ خدا کے ساتھ نیکی کی جائے۔
آدمی تین باتوں سے ہلاک ہوتا ہے غرور، لالچ اور حسد سے۔
غرور سے دین تباہ ہوتا ہے۔
لالچ آدمی کو مصیبت میں ڈال دیتا ہے۔
حسد سے عداوت پھیلتی ہے۔
علم کو دوسروں تک پہونچاؤ۔
عفو صفتِ الٰہی ہے۔
فکر مند رہنا فکروں میں اضافہ کرتا ہے۔
دوستوں کو مصیبت میں چھوڑ دینا بزدلی ہے۔
اخلاص میں مخیر ہونا کارِ عظیم ہے۔
کمینوں کی پیروی اور گمراہوں کی مصاحبت حماقت ہے۔
انسان کا مرتبہ اس کی عقل کے مطابق ہوتا ہے۔
جو خدا سے نہیں ڈرتا اسے ہر چیز سے ڈرنا پڑتا ہے۔
برائی کا بدلہ احسان سے دینا نیکی ہے۔
توشۂ آخرت تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

عرضِ ناشر

ادارۂ احیاءِ تراثِ اسلامی اپنے قیام (۱۹۸۵ء) سے علمی وثقافتی بنیاد پر مصروفِ عمل ہے۔ ہم نے معتبر تصنیفات کو اردو میں منتقل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ اہتمام بھی کیا ہے کہ اپنی تاریخ کی مُسلّمہ اور محترم شخصیات پر طبع زاد تصانیف بھی شائع کریں گے اَلحمدُ للہ اس ضمن میں ہمارے قارئین قطعی مایوس نہیں ہوں گے۔

ادارہ نے آئمہ معصومین پر ایسی کتابوں کے سلسلے کا آغاز کیا ہے جس میں آئمہ کے حالاتِ زندگی اور اُن کے فکری نظام کی واضح اور جامع تصویر نمایاں ہو سکے اس سلسلہ کی ابتداء ہم حضرت علی علیہ السلام سے کرنا چاہتے تھے۔ مگر بعض ناگزیر وجوہ کی بناء پر ہم نے آغاز امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی شخصیت سے کیا تھا اور اب امام حسن کی ذات بابرکات کے سلسلے میں یہ کتاب پیشِ خدمت ہے۔ ویسے زمانہ اور وقت کی ضرورتوں کے اعتبار سے ہم اسے لازمی سمجھتے ہیں۔

جناب نیّر قدیم اس موضوع پر اپنے وسیع مطالعے سے پہچانے جاتے ہیں۔ اور عرصۂ دراز سے مطالعہ اور تحقیق میں مصروف ہیں۔ ہم ان کے ممنون

ہیں کہ اُنہوں نے جذبۂ ایمانی اور محبّت اہلِ بیتؑ کا عملی ثبوت فراہم کرتے ہُوئے بہت ہی قلیل مدّت میں جامع حوالہ جات کے ساتھ یہ کتاب تحریر کی ہے۔

اِدارہ اس تصنیف کو اس گزارش کے ساتھ پیش کر رہا ہے کہ اسے ایک مخلصانہ علمی کوشش سمجھا جائے گا۔ ہم اس سلسلہ میں ہر رائے اور مشورہ کا وسیع القلبی سے خیر مقدم کریں گے۔ کیوں کہ ہمارا بنیادی مقصد آلِ محمدؐ کا تعارف پیش کرنا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہیں کہ وہ بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ ہمیں اپنے ارادوں میں کامیابی عطا کرے۔

ناظمین
ادارہ احیاء تراثِ اسلامی
کراچی

امام حسن علیہ السلام

نام ... . :	حسن
کنیت ... . :	ابو محمد
خصوصی لقب :	مجتبیٰ
والد ... ... :	علیؑ ابن ابیطالب علیہ السلام
والدہ ... . :	دخترِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ زھرا سلام اللہ علیہا
تاریخ ولادت :	۱۵ رمضان المبارک سنہ ۳ ھجری
جائے ولادت :	مدینہ منورہ
تاریخ شہادت :	۲۸ صفر سنہ ۵۰ ہجری
جائے مدفن :	جنت البقیع مدینہ منورہ
ادوار ... ... :	حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور امیر معاویہ
ازواج	مختلف اوقات میں نو عقد کئے۔ ایک وقت میں دو یا چار ازواج حرم میں رہیں۔
امتیازات ...	خلیفہ راشد، امام، عابد، حلیم، زاہد، مہمان نواز، بردبار، عالی ہمت اور صاحبِ درگزر
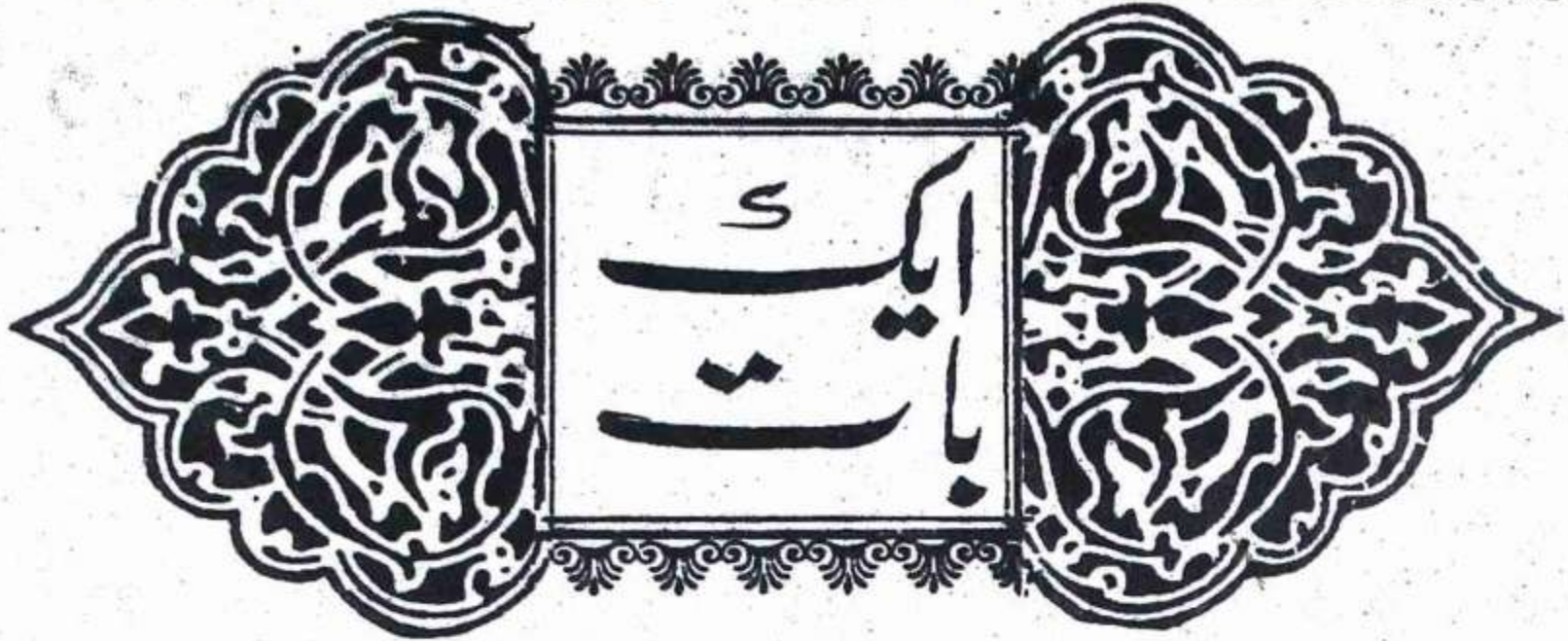
امام حسنؑ علیہ السلام کی تربیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور حضرت علی علیہ السلام جیسی پاکیزہ اور مطاہر شخصیتوں کے زیر سایہ ہوئی تھی اس لئے یہ سوچنا کہ آپؑ سے ایسے افعال سرزد ہوئے ہوں جو اسلامی شعائر کے برخلاف ہوں، ایک غلط فکر ہوگی آپؑ اخلاق کے ایسے معیار پر فائز تھے کہ وہ دوسروں کے لئے ایک مثال ہیں۔

امام حسنؑ کے بارے میں مخالفین نے بغیر کسی ثبوت اور دلیل کے یہ بات باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ آپ نے لاتعداد شادیاں کیں مگر تاریخ کے صفحات اس امر میں قطعاً خاموش ہیں آپ کی ازواج کی تعداد زیادہ سے زیادہ نو پہنچتی ہے۔ ایک وقت میں آپؑ کے حرم میں چار سے زیادہ ازواج نہیں رہیں جو لوگ آپ کی ازواج کی تعداد کو افسانہ کی حد تک لے گئے ہیں انھوں نے بھی نام بتلانے کی زحمت گوارا نہیں کی ہے اگر اس افسانہ میں ذرا بھی حقیقت ہوتی تو ازواج کے نام یا قبائل کے نام ضرور سامنے آتے مگر ایسا نہیں ہے اور یہی بات اس سلسلے میں یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ تعداد ازواج کی یہ روایت غلط فہمی اور بدنیتی پر مبنی ہے۔

عرضِ مُصنّف

میری اس تصنیف کا موضوع "امام حسن علیہ السلام کی شخصیت ہے اس لئے نہیں کہ امام حسنؑ میرے عقیدہ کا حصّہ ہیں بلکہ اس لئے بھی کہ آپؑ تاریخ کا ایک اہم اور موثر حصّہ بھی ہیں۔ آپؑ کے تدبّر کا نتیجہ تھا کہ ملوکیت کی واضح نشاندہی ممکن ہو سکی۔ امامؑ نے قیامِ امن کی عملی تحریک کے ذریعہ صاحبانِ فساد اور صاحبانِ امن کے درمیان ایک خط کھینچ کر مخالف قوت کے عزائم دنیا پر آشکار کر دیئے اور مسلمانوں کو یہ سبق بھی دیا کہ اسلامی اقدار کی نشر و اشاعت کے لئے تصادم، تلوار اور افرادی قوت کی حکمتِ عملی کی بجائے کردار کا وسیلہ بہت مستحکم اور مضبوط ذریعہ ہے۔ امام حسنؑ آج بھی امن و سکون کی علامت ہیں اور مسلم معاشرہ میں جب بھی اختلافی عوامل سر اٹھاتے ہیں امام حسنؑ کی ذات ہی قیامِ امن کی علامت بن کر سامنے آتی ہے۔ امام حسنؑ کا یہ تدبّر ان کے عہد کے معروف سیاست دانوں کی سیاست کے لئے اس وقت بھی ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا اور آج بھی اس کی یہ حیثیت باقی ہے

میں نے امام حسنؑ کی شخصیت کے حوالے سے ان کے عہد کا سیاسی و ثقافتی تجزیہ کرنے کی ایک طالب علمانہ کوشش کی ہے۔ اس ضمن ممکنہ حوالہ جات سے دیانتدارانہ

استفادہ کیا گیا ہے۔ میں نے تاریخ کی عدالت میں جعلی وکالت نامہ پیش نہیں کیا
ہے بلکہ موجود واقعات سے وہ نتائج پیش کئے ہیں جن کی تصدیق تاریخ نے وقت
فوقتاً خود بھی کر دی ہے۔

امام حسن علیہ السلام کی شخصیت پر خود اردو میں لکھی گئی کتابوں کی کمی نہیں ہے میں
اپنی تحریر کے اعتبار کو قائم رکھنے کے لئے ان تمام کتابوں سے استفادہ کیا ہے جو بلا واسطہ
یا بالواسطہ امام حسنؑ سے متعلق ہیں۔ اس تحقیق کے دوران مجھے اندازہ ہوا کہ اردو میں اکابر
پر طبع زاد تصنیفات اور تالیفات کا ذخیرہ بہت محدود ہے، مثلاً حضرت عمرؓ اور حضرت
عثمانؓ پر صرف ایک قابلِ ذکر کتاب ملتی ہے۔ تاہم امام حسنؑ پر ایک سے زائد تصنیفات
موجود ہیں اس طرح میں نے امام حسنؑ پر لکھ کر کسی کام کا آغاز نہیں کیا۔ بلکہ مقدور بھر
اضافے کی کوشش کی ہے۔

میں اس کتاب کے بارے میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ یہ میرے
مطالعے اور تحقیق کا خاکہ ہے۔ اس کے ہر عنوان پر تحقیق و تحریر کی بڑی گنجائش ہے۔
میں نے ممکنہ حوالے جمع کر دیئے ہیں جو آئندہ لکھنے پڑھنے والوں کی مدد کر سکیں گے۔ اگر
اسے انکسار کی بجائے حقیقت سمجھا جائے تو میں عرض کر دوں گا کہ میں نے کوئی اہم
کارنامہ انجام نہیں دیا ہے بس سمندر کے کنارے لہریں گنی ہیں۔ البتہ بارگاہِ اما مدَ
میں مقبولیت کی خواہش ہے اور اس یقین کے ساتھ کہ وہ نوازتے ہیں۔

اس کتاب کے سلسلہ میں مجھے جناب مُدّبر رضوی، جناب سردار نقوی،
جناب عبدالرؤف عروج کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے۔ جناب مدّبر رضوی نے کتابوں
کے حصول میں میری ممکنہ مدد کی۔ جناب سردار نقوی اور جناب عبدالرؤف عروج نے مسوّدہ
کو پوری توجّہ سے پڑھ کر مفید مشوروں سے نوازا۔ جناب شہنشاہ جعفری جو ا

کتاب کے ناشر ہیں برادرانہ حوصلہ افزائی کرتے رہے ہیں میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اکی بارگاہ سے امام حسنؑ کے طفیل ان صاحبان کی توفیقات میں اضافہ ہو۔ میں اپنے قارئین کے لئے بھی دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ بفیض محمدؐ و آل محمدؐ ان کے علم میں اضافہ فرمائے۔

میں آخر میں ہر پڑھنے والے سے عرض کروں گا وہ اس کتاب کو کسی مخصوص مکتبۂ فکر کی ترجمانی پر محمول نہ کریں امام حسن علیہ السلام ہر مسلمان کے لئے منارۂ ہدایت ہیں اگر مجھ سے کوئی سہو ہو گیا ہو یا مجھے متجاوز سمجھا جائے تو اس کی نشاندھی ضرور کر دی جائے کیونکہ خدا کی قسم! اس کتاب کا مقصد دل آزاری یا بے بنیاد تجزیہ نگاری نہیں ہے۔ اسے صرف تاریخ سمجھ کر لکھا گیا ہے اور قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اسے تاریخ ہی تصور کریں۔

نیاز مند

نایاب سلیم

اس کتاب کے بارے میں

سردار نقوی

تاریخ اسلام کا ایک منظر تو وہ ہے جس میں دیکھنے والے کو حکومتوں اور سلطنتوں کی شان و شوکت، فتوحات اور مالِ غنیمت کی کثرت اور بلند و بالا محلات اور عمارات کی سطوت دکھائی دیتی ہے۔ لیکن اسی تاریخ کا ایک منظر وہ بھی ہے جس میں ظلم کی آندھیوں اور ہوا و ہوس کے اندھیروں کے درمیان فقر و توکل کی شمعیں اور ایثار و قربانی کے چراغ روشن نظر آتے ہیں۔ روشنی کے یہ چراغ ان مبارک اور برگزیدہ ہستیوں کی سیرت و کردار کے اُجالے ہیں جو قرآن اور رسالت کی حقیقی تعلیم کی وارث اور نگہبان ہیں۔ یہ اس حقیقی اسلام کی وارث ہیں جس کی تاریخ حضرت آدمؑ سے شروع ہوئی اور جس کی تکمیل حضرت محمد مصطفےٰؐ کے ہاتھوں ہوئی جو خاتم النبیینؐ ہیں یہ دین قیامت تک تاریخ کے ہر دور میں اور ہر زمانے میں انسانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ اور رستگاری کا پیغام ہے۔ حضورؐ کے بعد تاریخ کے طویل ادوار میں مختلف داخلی اور خارجی عوامل کے زیر اثر اس دین میں تحریف و تغیر کی جو دانستہ یا نادانستہ کوششیں کی گئیں ان کا سدباب انہی مبارک ہستیوں کے ذریعہ ممکن ہوا۔ ان ہستیوں کی سیرت و

کردار کا مطالعہ اسلامِ حقیقی کو سمجھنے کی کوشش ہے، ان کی معرفت اور مودّت خود پیغمبرؐ کی معرفت و مودّت ہے اس لئے کہ انہوں نے اس روایت کو زندہ رکھا جسے حضورؐ نے قائم فرمایا تھا اور اس روایت یعنی اسلامِ رسالت کو جو اسلامِ حکومت سے نہ صرف مختلف بلکہ متضاد حقیقت ہے زندہ رکھنے کے لئے خود اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور ان سے تمسک، قرآن سے تمسک ہے، اس لئے کہ قرآن نور ہے اور یہ ہستیاں، وہ چراغ ہیں جن کے حوالے سے یہ نور ظاہر ہو کر معاشرے اور تاریخ کے اندھیروں کو دُور کرتا ہے جس کی روشنی میں وہ حق و باطل، خیر و شر اور عدل و ظلم کو علیحدہ علیحدہ دیکھ کر پہچان سکتے ہیں، حضرت امام حسنؑ کا تعلق انہی برگزیدہ ہستیوں کے اس پاکیزہ سلسلہ سے ہے جسے حضورؐ نے " عترتی، اہلبیتی " کے لفظوں میں متعارف کرایا ہے

تاریخِ اسلام میں امام حسنؑ کی شخصیت ایک منفرد اور خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ مؤرخین عام طور پر آپ کو پیغمبرِ امن و صلح کے لقب سے یاد کرتے اور آپؑ کی صلح پر ہر شخص اپنی ہمت اور ظرف کے مطابق اس کے مضمرات اور مفادات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ایک بات جو اس صلح کے نتیجہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہے یہ ہے کہ دینِ اسلام میں مرکزیت اور اہمیت ہدایت کو حاصل ہے امر حکومت کو حاصل نہیں ہے۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصل ہدف کسی حکومت کا قیام نہیں تھا بلکہ ایک ایسی ملت کا قیام تھا جس کی بنیاد عدل و احسان کے قرآنی اصولوں پر رکھی گئی ہو۔ اس لحاظ سے ائمہ اہلبیتؑ کی مساعی کا ہدف بھی حکومت نہیں تھا بلکہ ملت کو اس کے صحیح مرکز یعنی عدل و احسان کے اصولوں پر قائم کرنا تھا اور اپنی اس کوشش میں ان کا تصادم ہمیشہ ان قوتوں سے ہوا جو عدل و احسان کی دشمن اور ظلم و طغیان کی علمبردار تھیں جنگِ صفین، صلح حسنؑ اور جہاد کربلا عدل اور ظلم کے اسی تصادم کی مختلف صورتیں ہیں۔ جنگِ صفین

اور جنگِ کربلا کی حقیقت اور معنویت کو اُجاگر کرنے کے لئے صلح حسنؑ ایک ناگزیر ضرورت کی حیثیت رکھتی ہے۔

جناب نیر ندیم کی یہ کتاب جس کے پیش لفظ طور پر یہ چند سطور قلمبند کی جارہی ہیں امام حسنؑ کی سیرت و شخصیت کے مطالعہ کی ایک کوشش ہے اور یہ مطالعہ اس عہد کے تاریخی اور ثقافتی تناظر میں کیا گیا ہے۔ نیر ندیم کا مطالعہ وسیع ہے اس لئے ان کی کتاب میں جو واقعات بیان کئے ہیں ان کو کسی نہ کسی معتبر اور مستند کتاب سے اخذ کیا گیا ہے" لیکن ان کی کتاب محض حوالہ جات کا اشاریہ اور تاریخی حقائق کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ واقعات کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا تجزیہ اور ضروری حد تک تبصرہ بھی پیش کیا گیا ہے مگر اس تبصرہ میں مناظرانہ رنگ اختیار کرنے سے گریز کیا گیا ہے اور ہر چند کہ مصنّف کا مقصد ایک مخصوص زاویۂ فکر سے حالات کو دیکھنا ہے لیکن ان کی تحریر میں تبلیغ کی بجائے ابلاغ کا رنگ نمایاں ہے نیّر ندیم کا تعلق ابلاغ عامہ کے ایک ادارہ سے ہے۔ اس لئے انہیں سیدھے اور صاف لفظوں میں وضاحت اور اختصار کے ساتھ اپنی بات کہنے کا فن آتا ہے انہوں نے اس کتاب میں اس فن کو نہایت کامیابی سے برتا ہے۔

شام میں بنو امیّہ کے اقتدار اور اسلام میں آلِ ابوسفیان کے اثر و نفوذ کے متعلق انکی تحریر معلومات افزا ہونیکے ساتھ ہی ساتھ فکر انگیز بھی ہے اسی طرح شامی فوج اور حضرت علیؑ کے لشکریوں کی حالت" قصاصِ عثمانؓ کے نعرہ اور امام حسنؑ کی امیر شام سے صلح کے پس منظر بیان کا تجزیہ احتیاط اور اظہارِ حقیقت کا حسین امتزاج ہے ان تمام باتوں کو پڑھ کر بے ساختہ حکیم آزاد انصاری کا یہ شعر یاد آتا ہے ؎

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی
خوفِ فسادِ خلق سے ناگفتہ رہ گئے

ولادت سے وفات تک

امام حسن کی ولادت باسعادت ۱۵ رمضان المبارک ۳ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ ولادت یہی لکھی ہے۔ تاریخ احمدی کے مولف نواب احمد حسین خان نے بھی اسی تاریخ کو تسلیم کیا ہے
امام حسنؑ کی ولادت سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں حضرت عباس بن عبدالمطلب کی زوجہ محترمہ کو یہ بشارت تھی (مشکوٰۃ شریف) کہ حضرت فاطمہ الزہراؑ کے ایک فرزند ہوگا جو ان کی گود میں پرورش پائے گا۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے کو دیکھنے تشریف لائے جناب اسماء بنت عمیس حضرت امام حسنؑ کو ایک زرد کپڑے میں لپیٹ کر لائیں۔ آپؐ نے بچوں کو زرد کپڑے میں لپیٹنے کی ممانعت فرمائی۔ امام حسنؑ کے کان میں اذان اور اقامت دی۔

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ حضور نے ساتویں دن آپؑ کا عقیقہ اپنے دست مبارک سے کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعائے خیر فرمائی، اس موقع پر سونا اور چاندی بھی تصدق کیا جو عقیقہ کے بالوں کے ہم وزن تھا

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام حسنؑ رکھا آپؐ نے فرمایا کہ یہ نام خدا کا مقرر کردہ ہے۔ حضرت ہارونؑ علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام شبّر تھا۔ جس کا عربی بدل حسنؑ ہے۔ واضح رہے کہ حضرت علیؑ کا نام علیؑ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی رکھا تھا حضور اکرمؐ کی ایک حدیث بھی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو موسیٰؑ کو ہارونؑ سے تھی بس یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ دیگر اولادِ علیؑ کے نام بھی حضور اکرمؐ کے مقرر کردہ ہیں جیسے حسینؑ اور زینبؑ

۵ "ابنِ سعد نے عمران بن سلمان کی زبانی لکھا ہے کہ حسنؑ اور حسینؑ دونوں نام جنتیوں کے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت یعنی اسلام سے پہلے کسی نے یہ نام نہیں رکھے تھے۔ کیونکہ وہ ان ناموں سے ناواقف تھے ــــ"

امام حسنؑ نے اپنا دورِ طفولیت حضور اکرمؐ کی زیرِ تربیت گذارا۔ حضورؐ آپ سے بے حد محبت کرتے تھے اور سب کو ان سے محبّت کی تلقین کرتے تھے۔ آپؑ کے سلسلے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات متعلقہ باب میں پیش کئے جائیں گے

آپؑ اپنے ناناؐ کی خدمت میں حاضر رہتے اور جو کچھ آپؐ سے سماعت کرتے اسے گھر آکر اپنی والدۂ محترمہ فاطمہ زہراؑ کے گوش گزار کرتے تھے۔ آپؑ نے ابتدائی عمر سے حضور سے اسلامی اقدار کا جو سبق اکتساب کیا تھا، اس کے اثرات

---

۵ تاریخ خلفاء حافظ جلال الدین سیوطی مترجم اقبال الدین احمد (صفحہ ۱۸۹) نفیس اکیڈمی

آپؑ کی زندگی میں قدم قدم پر نظر آتے ہیں۔

امام حسنؑ جس طرح صورت، شکل میں حضور اکرمؐ سے مشابہ تھے اسی طرح عادات و اطوار میں حضور سے مشابہت کی وجہ سے حضرت علیؑ اپنے بیٹے حضرت حسنؑ کا بیحد خیال رکھتے تھے۔ حضرت محمد حنفیہ فرزند علیؑ کا ایک قول ہے۔

"میں حضرت علیؑ کا ہاتھ ہوں اور حسنؑ و حسینؑ انکی آنکھیں ہیں آپ ہاتھ سے اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتے ہیں۔"

حضرت امام حسنؑ کوئی آٹھ برس کے تھے جب حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس دُنیا سے پردہ فرمایا اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کا دورِ حکومت شروع ہوا۔ یہی وہ زمانہ ہے جس کے ابتدائی دور میں حضرت فاطمہؑ زہرا کا وصال ہوا۔ حضرت علیؑ نے گوشہ تنہائی اختیار کیا۔ امام حسنؑ اس وقت کم عمر تھے اپنے والد کی گوشہ نشینی نے ان کے شب و روز کو بھی متاثر کیا۔ اس زمانہ کا صرف ایک واقعہ بہت مشہور ہے کہ ایک بار آپؑ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ تم میرے باپ کے منبر سے اتر آؤ۔ حضرت ابوبکرؓ نے بہت محبت سے آپؑ کو اپنی گود میں بٹھایا۔

حضرت عمرؓ کا دور فتوحات ممالک اور توسیع سلطنت کا دور ہے اس میں حضرت علیؑ اپنے سابقہ تجربات، دلیرانہ کارناموں اور منصب علمی کے باوجود کسی سیاسی، انتظامی یا جنگی افق پر نظر نہیں آتے۔ حضرت عمرؓ نے یہ پالیسی اختیار کی تھی کہ وہ مہاجرین کو مدینہ سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔[۱۵۸]

مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اپنی تصنیف عثمان ذوالنورین کے صفحہ

پر حضرت عثمانؓ کے خلاف احتجاج کے سبب بیان کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کی پالیسی کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

"حضرت عمر فاروقؓ مہاجرین کو مدینہ سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس کے علاوہ لوگوں پر کچھ اور پابندیاں بھی تھیں جن کی وجہ سے لوگ تنگ دلی محسوس کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ سب پابندیاں ختم کردیں اور ہر شخص آزاد تھا کہ جہاں چاہے جائے اور کسب معاش کے لئے جو طریقہ چاہے اختیار کرے"۔

حضرت عمرؓ کی پالیسی کے نفاذ کی وجہ سے حضرت علیؑ بھی مدینہ میں رہنے اور محدود اور حکومت کے مقرر کردہ وسائل کے ذریعہ کسب معاش کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؑ کے مشوروں کو بہت اہمیت دیتے تھے حضرت علیؑ کا مشاورت میں صائب رائے دینا ان کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ تھا جسے آپ بحسن و خوبی انجام دیتے تھے۔ تاہم حضرت علیؑ کسی امتیازی منصب کے حامل نہیں تھے۔ آپ سے سیاسی اور جنگی امور میں مشورہ کیا جاتا تھا اور حضرت علی کے مشورے خلافت کے نزدیک صائب اور معتبر ہوتے تھے۔

امام حسنؑ سیاسی پلیٹ فارم پر اس وقت نظر آئے جب حضرت عمرؓ نے اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کے لئے شوریٰ کمیٹی مقرر کی تھی امام حسن ایک خاموش مبصر تھے۔

امام حسنؑ دیگر بنی ہاشم کی طرح بنی امیہ کے پہلے خلیفہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں کسی اہم عہدے یا منصب پر نظر نہیں آتے۔ جب حضرت عثمانؓ کو انقلابیوں نے محصور کرلیا تھا اس وقت حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے امام حسنؑ کو حضرت علیؑ نے بھیجا تھا۔

۱۹ بالآخر حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادگان امام حسنؓ اور امام حسینؓ سے فرمایا۔ "جاؤ اپنی تلواریں لے کر حضرت عثمانؓ کے دروازے پر پہرہ دار کی حیثیت سے کھڑے ہو جاؤ۔"

انقلابیوں نے مکان میں کود کر حضرت عثمانؓ کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا۔ اس کی خبر مدینہ میں پھیل گئی حضرت علیؓ نے یہ سن کر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور موقع واردات پر پہونچ گئے امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو سخت سست بھی کہا۔

۲۰ "(حضرت علیؓ نے) اپنے دونوں بیٹوں سے پوچھا تم دونوں کے دروازے پر پہرہ دار ہونے کے باوجود حضرت عثمانؓ کس طرح شہید ہو گئے۔

امام حسنؓ اپنے والد محترم حضرت علیؓ کے دور میں بہت فعال نظر آتے ہیں حضرت علیؓ کے تخت خلافت پر متمکن ہونیکے بعد بہت سے عناصر مختلف وجوہ کی بنا پر اختلاف اور محاذ آرائی پر آمادہ تھے۔ مراعات یافتہ طبقوں نے حضرت علیؓ کے منشور حکومت کو سن کر محاذ آرائی کا کھلم کھلا اظہار شروع کر دیا تھا کچھ لوگوں نے تو بیعت سے ہی احتراز کر کے اپنے اختلافات کا اعلان کیا تھا جیسے سعد ابن ابی وقاصؓ اور عبداللہ ابن عمرؓ کچھ لوگوں نے اس معاملہ کو تلوار کے ذریعے حل کرنے کا منصوبہ بنایا جن میں زبیر بن العوامؓ اور طلحہؓ پیش پیش تھے۔ اس وقت تک بنی امیہ صورتحال سے اچھی طرح مطمئن نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے حضرت علیؓ کے ان ابتدائی مخالفین کی پشت پناہی پر اکتفا کیا۔ اس طبقہ نے اس جنگ جمل میں شکست

---

۲۰ تاریخ الخلفاء حافظ جلال الدین سیوطی مترجم اقبال الدین احمد صفحہ ۱۶۴/۱۶۵ نفیس اکیڈمی

اٹھائی اس وقت کچھ ایسے عناصر بھی تھے جو اس وقت معاشرہ میں اثر انداز ہونیوالی شخصیت کے حامل تو نہیں تھے، مگر حضرت علیؑ سے اختلاف رکھتے تھے انہوں نے جنگِ جمل میں حضرت علیؑ کی قوت کم کرنے کے لئے عام لوگوں کو اس محاذ میں شرکت کرنے سے روکنے کی مہم کا آغاز کر دیا تھا۔

مثلاً جناب موسیٰ الاشعری نے اہل کوفہ کو روکنے کی مہم شروع کر دی تھی۔ اس موقع پر حضرت امام حسنؑ نے اہل کوفہ کو آمادہ جنگ کیا۔ امام حسنؑ نے ابو موسیٰ الاشعری کے پروپیگنڈے کو روکنے اور کوفے میں علی کی حمایت پر لوگوں کو آمادہ کرنے کے لئے کہا۔

لہ "تم لوگ ہماری دعوت قبول کر لو اور ہماری اطاعت کرو اور جس مصیبت میں تم اور ہم مبتلا ہو گئے ہیں اس میں ہماری مدد کرو اور اگر ہم ظالم ہیں تو ہمارا ساتھ نہ دو اور ہم سے لڑو۔"

امام حسنؑ کا یہ خطبہ تاریخ کے تجزیے کے لئے ایک اہم ثبوت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور امامؑ کے سیاسی موقف کی واضح دلیل ہے

ابن خلدون لکھتا ہے کہ امام حسنؑ کی اس تقریر کے اثر سے لوگ آمادہ پیکار ہو گئے اور نو ہزار کا لشکر حضرت علیؑ کی مدد کیلئے کوفہ سے نکلا۔

امام حسنؑ کی جنگِ جمل میں یہ عملی شرکت تھی۔ امام حسن جنگ صفین میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔

لہ تاریخ ابنِ خلدون حصہ اول مترجم کلیم احمد عثمانی صفحہ ۴۹۶ نفیس اکیڈیمی کراچی

امام حسنؓ کی جنگوں میں یہی شرکت ان کی حمایت یا عدم حمایت کیلئے ایک ثبوت کا درجہ رکھتی ہے ان واقعات کی روشنی میں امام حسنؓ کو عثمانیہ گروہ کا ہمدرد یا حامی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ امام حسن کی صفِ اوّل میں شرکت کا سبب یہ نہیں ہے کہ آپ حضرت علیؓ کے موقف کی تائید میں تساہل برتتے تھے۔ بلکہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی بناء پر امام حسنؓ کو جنگ کی مشکلات سے محفوظ رکھنے تھے، وہ یہ نہیں چاہتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ممدوح نواسا تلوار کے سامنے جائے۔ اہم خطرات کے موقع پر وہ حضرت محمد حنفیہ کو آگے کر دیتے تھے۔

امام حسنؓ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امورِ خلافت کے ذمہ دار پائے۔ انہوں نے خطبات دیئے اپنے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ مسلم دنیا کو درپیش اندرونی بیرونی خطرات کا اندازہ لگایا اور بالآخر یہی درست سمجھا کہ دونوں مسلم ریاستوں کے درمیان اتحاد اور امن کی فضا ناگزیر ضرورت ہے اسطرح ربیع الاول ۴۱ھ میں معاہدہ امن ہوا۔ اہلِ شام میں اس واقعہ پر اطمینان کا سانس لیا گیا اور اسے سالِ جماعت کے نام سے موسوم کیا گیا، امیر معاویہ نے اسی سال مروان بن حکم کو مدینہ کا عامل مقرر کیا۔

معاہدہ امن کے بعد امام حسنؓ نے باقی تمام عمر مدینہ میں گزاری اس زمانہ آپ کی سیاسی زندگی کا کوئی عملی پہلو نظر نہیں آتا۔ خاموشی اور تنہائی کے آثار نظر آتے ہیں۔ آپ کے مخلصین کے وفود بہر حال آتے جاتے رہتے تھے اور امیر معاویہ کی جانب سے معاہدے کی شرائط کی خلاف ورزیاں بیان کرتے تھے۔

مروان بن حکم اکثر آپ کے سامنے حضرت علیؓ پر سب و شتم کرتا رہتا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ آپؓ اگر دور بیٹھ جاتے تو وہ قریب آکر حضرت علیؓ کی شان میں

گستاخی کرتا رہتا تھا۔ دراصل معاہدہ امن میں یہ شرط امام حسنؑ نے رکھی تھی مگر امیر معاویہ اس شرط کو ماننے پر تیار نہیں ہوئے تھے۔

امام حسنؑ نے مدینہ منورہ میں خاموش اور مظلوم زندگی گذاری۔ آپ اگر چاہتے تو بنی ہاشم اور اپنے بکھرے ہوئے مخلصین کو متحد کر کے حکومت وقت کے لئے لمحۂ فکریہ پیش کر سکتے تھے، لیکن آپؑ نے گوشہ نشینی اور مصالحت کا جو رویہ اختیار کیا تھا، اس پر تاریخ حیران ہو جاتی ہے، امام حسنؑ نے کسی وقت بھی تصادم کا راستہ اختیار کرنے کی کوشش نہیں کی۔

امام حسنؑ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت میں دفن ہونے کے خواہش مند تھے مگر مسلمانوں کے درمیان امن وامان قائم رکھنے کے لئے آپ نے یہ وصیت فرمائی کہ اگر بنی امیہ اس ضمن میں مداخلت کریں تو بڑھا ہوا قدم واپس لے لیا جائے۔ آپ زندگی کے بعد بھی پر امن فضا قائم رکھنا چاہتے تھے۔

امام حسنؑ کو راستہ سے ہٹانے کے لئے امیر معاویہ نے جعدہ بنت اشعث کو سازش میں شریک کر لیا۔ واقعہ تحکیم کے موقع پر اشعث امیر معاویہ کے ساتھ جس انداز میں شریک ہو گیا تھا اس کے واقعات اس موقع پر بیان ہو چکے ہیں۔ امیر معاویہ اپنے بعد یزید کو اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتے تھے، مثلاً انہوں نے جناب خالد بن ولید کے صاحبزادے عبدالرحمٰن کو زہر دلوا دیا تھا، طبری نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے اور صاف طور سے بیان کیا ہے کہ امیر معاویہ شام میں عبدالرحمٰن کی مقبولیت سے خوف زدہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے ایک نصرانی حکیم کے ذریعہ عبدالرحمٰن کو زہر دلوا دیا۔

[1] اس سال (۴۶ ہجری) عبدالرحمٰن بن خالد زمین رُدم سے حمص کی طرف واپس آتے ابن اثال نصرانی نے

حوالہ طبری حصہ چہارم صفحہ ۸۳ نفیس اکیڈمی کراچی

شربت میں زہر ملا کر انہیں دے دیا۔ کہا گیا ہے کہ
انہوں نے وہ زہر پی لیا۔ اسی زہر سے ان کا کام
تمام ہو گیا۔ سبب اس کا یہ تھا کہ ملک شام میں
عبدالرحمٰن بن خالد کی شان بہت بڑھ گئی تھی۔
لوگ یہاں کے دل سے ان کی طرف مائل تھے،
ان کے والد خالد بن ولید کے آثار لوگوں کے
پاس موجود تھے۔ دوسرے زمین روم میں مسلمانوں
کے لئے ان کی جفاکشی ان کا رعب و دبدبہ تھا۔
معاویہ تک کو ان سے خوف ہو گیا کہ ان کے
سبب سے ضرر نہ پہنچے۔ اسی خیال سے معاویہ
نے ابن اثال کو حکم دیا کہ ان کے قتل کا کوئی حیلہ نکالا
جائے اور اس بات کی ضمانت کر لی جائے کہ اس نے
ایسا کیا تو عمر بھر کے لئے خراج اسے معاف
ہو جائے گا اور حمص کے خراج کی تحصیل اس کے
سپرد کر دی جائے گی۔ ابن اثال نے اپنے کسی
غلام کے ذریعے عبدالرحمٰن کے پاس زہر میں ملا ہوا
شربت بھیجا وہ پی کر حمص میں مر گئے۔ معاویہ نے
نصرانی سے جو وعدے کئے تھے پورے کر دیئے اور
خراج اسے معاف ہو گیا۔ حمص کی تحصیل اسے مل گئی۔

امیر معاویہ نے عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کو جس طرح اپنے راستے سے ہٹا دیا
تھا اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ۵۰ ہجری میں امام حسنؑ کو زہر دینے میں ان کا

خفیہ ہاتھ کارفرما تھا کیونکہ امام حسنؑ دوبارہ غریبوں اور مظلوموں کا مرکز بن کر حکومت کے لئے خطرہ بنتے جا رہے تھے، طٰہٰ حسین نے بھی امام حسنؑ کے اس زمانے کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے اس دور کو انصار ان و حامیان علیؑ کی تنظیم کا دور کہا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس وقت یہ لوگ ایک منظم سیاسی جماعت بن گئے تھے اور ایک امکانی جنگ کے لئے تیاریوں کا آغاز ہو گیا تھا۔[۱]

طٰہٰ حسین جس تجزیہ پر پہنچے ہیں وہی تجزیہ شیخ محمد مہدی شمس الدین (لبنان) نے بھی ذرا مختلف انداز میں کیا ہے۔

[۲] "اس طرح امام حسنؑ لوگوں کو جنگ کے لئے آمادہ کر رہے تھے تاکہ مناسب موقع پر جنگ لڑی جا سکے"

شیخ محمد مہدی شمس الدین نے امام حسن کے موقف کو ایک زیر زمین منظم ہونے والی تحریک سے تعبیر کیا ہے ظاہر ہے کہ امیر معاویہ کے پھیلے ہوئے جاسوسی جال نے امیر معاویہ کو خبردار کر دیا۔ اب انہوں نے امام حسنؑ کو راستے سے ہٹانے کے لئے تگ و دو شروع کر دی اور حسب دستور خفیہ طریقے اپنائے تاکہ وہ پس منظر میں رہیں اور ان کو درپیش آنے والے خطرات بھی باقی نہ رہ سکیں امام حسنؑ کو بھی عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی طرح زہر کے ذریعہ راستہ سے ہٹانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ یہاں اشعث کی بیٹی جعدہ امیر معاویہ کے لئے ایک وسیلہ بن گئی۔

امامؑ کی شہادت کے بعد ان کا تابوت لیکر چلا گیا مگر بنی امیہ آڑے آ گئے انہوں نے امام حسنؑ کو ان کے نانا بزرگوار صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن نہ ہونے دیا۔

۱۔ علیؑ طٰہٰ حسین مترجم عبدالحمید نعمانی صفحہ ۵۰۶۔ نفیس اکیڈمی کراچی

۲۔ انقلاب حسین شیخ محمد مہدی شمس الدین

کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر حضرت عائشہ رض نے بھی دفن کے معاملہ میں مداخلت کی تھی بعض مورخین کا کہنا ہے کہ ام المومنین رض تو راضی تھیں مگر مروان بن حکم نے کہا کہ حضرت عثمان رض کو تو قبرستان تک میں دفن نہیں کرنے دیا گیا تو امام حسن ؑ وہاں کیسے دفن ہو سکتے ہیں۔ سید سلیمان ندوی نے "سیرت حضرت عائشہ رض" کے صفحہ ۱۵۳ پر یہ بھی بحوالہ لکھا ہے کہ مروان بن حکم نے حضرت عائشہ رض کو بھی جھوٹا کہا۔

"حسین ؑ اور عائشہ دونوں جھوٹ کہتے ہیں۔
حسن وہاں کبھی دفن نہیں کئے جا سکتے عثمان رض
کو قبرستان تک دفن کرنے نہ دیا گیا اور حسن ؑ
عائشہ رض کے گھر میں دفن ہوں گے۔"

اگر اس معاملہ میں حضرت عائشہ رض کی جانب سے اجازت تسلیم کر لی جائے تو بنی امیہ اور خاص طور سے مروان بن حکم کی دیدہ دلیری ثابت ہوتی ہے کہ اس نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجازت نامہ کو بھی پیروں تلے مسل دیا۔ اور انھیں جھوٹا بھی قرار دے دیا۔

حالانکہ اسے حضرت عائشہ رض کے گھر پر نہ شرعی اختیار تھا، نہ اخلاقی ــــ حضرت عائشہ رض کی اجازت سے حضرت عمر رض دفن ہوئے تھے، اُن ہی کی اجازت سے امام حسن ؑ دفن ہو سکتے تھے۔ حضرت عائشہ رض بذات خود اس معاملہ میں مخالفت پر آمادہ ہوں، یا بنی امیہ کی طاقت کے آگے ان کی پیش نہ چلی ہو۔

بہر حال امام حسن ؑ اپنی وصیت کے ترجیحی پہلو کے مطابق حضور اکرم ص کے قرب میں دفن نہ ہو سکے امام حسن ؑ کے جنازے پر بھی تیر پھینکے گئے، قضیہ فساد اور شر کے رفع کے لئے امام کی وصیت کے دوسرے پہلو کو مد نظر

رکھ کر آپ کو والدہ حضرت علی علیہ السلام حضرت فاطمہ بنت اسد کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن کردیا گیا۔

مسعودی نے بیان کیا ہے کہ جب معاویہ کو امام حسن علیہ السلام کی شہادت کی خبر ملی تو انہوں نے خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

نقشِ ثانی

امامِ حسن علیہ السلام اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دوسری ایسی شخصیت ہیں جنھیں مادّی حکومت کا بھی موقع ملا۔ پہلی شخصیت حضرت علیؑ کی ہے۔ حضرت علیؑ کی شہادت ۲۱ رمضان ۴۰ھ کو ایک خارجی عبدالرحمٰن ابن ملجم کے ہاتھوں ہوئی۔ اس سانحے کے بعد امام حسنؑ خلیفہ ہوئے۔ کوفہ میں چالیس ہزار ہاتھوں نے اُن کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ آپ کو صرف چھ ماہ کی قلیل مدّت برائے خلافت ملی۔ تاہم عامۃ المسلمین کے نزدیک امامِ حسنؑ کی خلافت بھی خلافتِ راشدہ کا حصّہ ہے۔

امام حسنؑ خلافتِ راشدہ کے پانچویں اور آخری خلیفہ ہیں۔ اس طرح خلافتِ راشدہ کا اختتام آپ کے عرصۂ حکومت پر ختم ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد کی حکومتوں کا شمار ملوکیت میں ہوتا ہے یعنی خلافتِ راشدہ امام حسنؑ پر منتہی ہوتی ہے اور امیر معاویہ سے ملوکیت کی ابتدا ہوتی ہے۔ اگرچہ لفظ "خلیفہ" ایک اصطلاح کے طور پر ہر حاکم

کے لئے استعمال ہوتا رہا مگر امام حسنؑ کے بعد یہ اصطلاح نیابتِ رسولؐ کے معنی میں استعمال نہیں کی گئی، کیونکہ اکثر حکمران ظلم و ستم سے حکومت کرتے تھے۔ ظاہر ہے ظالم و جابر حاکم کو نیابتِ رسولؐ پر فائز نہیں کر سکتے اسی لئے حکمرانوں کے لئے لفظِ خلیفہ استعمال کرنے میں احتیاط برتی گئی کہ خلافتِ اوّل سے خلافتِ حسنؑ کی مدّت کو خلافتِ راشدہ سے موسوم کیا گیا اور اس کے بعد حکمران صرف خلیفہ کہلائے گئے۔ بعض محدّثین کے نزدیک خلافتِ راشدہ کی اصطلاح ایک حدیثِ رسولؐ سے اخذ کی گئی ہے۔ اُن کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ میرے بعد تیس سالہ دورِ خلافتِ راشدہ یعنی ہدایت یافتہ دور ہوگا۔ تاہم بعض مفکّرین کے نزدیک یہ اصطلاح بعد میں وضع کی گئی ہے تاکہ ادوار میں تخصیص قائم رہے۔ یہ واضح رہے کہ عامّۃ المسلمین خلافت راشدہ کو حدیثِ رسولؐ سے ماخوذ سمجھتے ہیں۔ شیخ المحدّثین مولانا ادریس کاندھلوی نے اپنی تالیف خلافتِ راشدہ کے صفحہ ۲۰۷ پر "خلافتِ راشدہ کی مدّت کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔

"حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے بعد تیس سال خلافت رہے گی۔ چنانچہ آپ کے وصال کے بلا فصل ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے اور دو سال چار ماہ خلافت پھر عمرؓ خلیفہ ہوئے اور دس سال چھ ماہ خلافت کی۔ پھر حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے۔ بارہ سال سے چند روز کم خلافت کی پھر حضرت علیؑ خلیفہ ہوئے، چار سال اور ۹ ماہ خلافت کی پھر امام حسنؑ خلیفہ ہوئے، پانچ ماہ خلافت کی اس حساب سے خلفاء اربعہ کی مدّتِ خلافت انتیس سال سات مہینے ہوئی اور امام حسنؑ کی پانچ ماہ خلافت سے تیس سال پورے ہو گئے۔"

امام حسنؑ رمضان المبارک ۴۰ ھجری میں خلافت پر متمکّن ہوئے۔ اور ربیع الاوّل ۴۱ھ ہجری کی ۲۵ تاریخ کو معاہدہ صلح ہوا۔ اس طرح یہ چند ماہ

کی مدت مسلم تاریخ کا اہم موڑ قرار پائی ۔ اس کے بعد عوام حکومتوں کے ظلم و
کا شکار ہونا شروع ہو گئے ۔ مراعات یافتہ طبقہ زیادہ با اختیار ہو گیا ۔ عوام کے محروم
طبقوں کی محرومیاں حد سے تجاوز کرنے لگیں ۔ طبقاتی عدم مساوات اس قدر وسیع
ہو گئی کہ تاریخ معاشرتی انصاف کے لئے مستقبل کی طرف دیکھنے کی بجائے ماضی کی
طرف دیکھنے لگی ۔ لوگوں کے پاس سماجی انصاف کی امیدیں منقطع ہو گئیں ۔ اور وہ
جب بھی سماجی اور معاشی عدل کا خواب دیکھتے تو ان کو ماضی کی خلافتِ راشدہ ہی
مثالیہ کی صورت نظر آتی ۔ حالانکہ مسلم سلطنت کی حدود خلافتِ راشدہ کی حدود
سے زیادہ پھیلی ہوئی تھیں آمدنی کے وسائل لامحدود ہو گئے تھے لیکن عوام کی محرومیاں
بڑھ گئی تھیں ۔ مراعات یافتہ طبقے کا استحصالی زور بڑھ گیا تھا اس سماجی اور معاشی
عدم مساوات کا واضح دوراہا امام حسنؓ کی خلافت کا مختصر عرصہ تھا ۔ امام حسنؓ نے
ایسے وقت خلافت سنبھالی جہاں سے مسلم معاشرہ کے دو متضاد پہلو اجاگر ہونا
شروع ہو گئے تھے ۔

امامِ حسنؓ کا دورِ خلافت اس قدر کم عرصہ پر مشتمل ہے کہ ان کی سماجی، انتظامی
اور معاشی پالیسیوں کی وضاحت نہیں ہو سکتی اور نہ ان کے عہد کا انفرادی تشخص سامنے
آتا ہے ۔ تاہم ان کے عہد کو حضرت علی علیہ السلام کے عہد کا نتیجہ ہی شمار کرنا چاہیئے ۔
کیونکہ امام حسنؓ نے اپنی بیعت کے وقت جس پالیسی کا اعلان کیا تھا وہ حرف بحرف
حضرت علیؓ کی پالیسی تھی جو پہلی تین خلافتوں سے علیحدہ تھی اور بعد میں آنے والی حکومتوں
کی پالیسیوں سے یکسر مختلف تھی حضرت علیؓ اور حضرت امام حسنؓ یوں تو تاریخ کے دو
الگ الگ حکمران ہیں مگر اپنی پالیسیوں کی وجہ سے ان میں سر مو فرق
نہیں ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کے حامی بدستور امام حسنؓ
کی حمایت پر کمربستہ رہے اور علیؓ کے مخالفین امام حسنؓ کی مخالفت پر قائم

رہے۔

امام حسنؓ نے بیعت کے وقت جس پالیسی کا اعلان کیا وہ قرآن اور سُنّت پر مبنی تھی۔ ان اصُولوں میں کسی انتزاج کو امام حسنؓ نے مسترد کر دیا تھا۔ حضرت علیؓ کی طرح امام حسنؓ نے بھی واضح طور سے کہہ دیا تھا کہ وہ قرآن اور سُنّت کے علاوہ کسی مزید شرط کو اصُولی طور سے ماننے کو تیار نہیں ہیں یہ وہی حکمتِ عملی تھی جس کا اظہار حضرت علیؓ نے کیا تھا اور اسی وجہ سے انھوں نے خلافت کا موقع بھی ہاتھ سے چھوڑ دیا تھا۔

حضرت عمرؓ جب غُلاموں کی جانب سے ہونے والے ردِّ عمل کا شکار ہوئے تو اُنھوں نے چھ افراد پر مشتمل ایک انتخابی مجلس مقرّر کی جسے کچھ شرائط کے ساتھ خلیفہ مقرّر کرنے کا اختیار دیا گیا۔ ابنِ خلدون کے مطابق [۱]

"آپ نے علیؓ، عثمان، زبیرؓ، سعدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بلایا اور ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا "تین روز تک تم طلحہؓ کا انتظار کرنا اگر وہ آ جائیں تو فبہا ورنہ تم مشورہ کر کے اپنے میں سے امیر بنا لینا"۔

خلیفہ ثانی نے اس انتخابی کمیٹی کو کچھ شرائط کا پابند کر دیا تھا، لیکن وہ کمیٹی ان تمام شرائط کی کلّی پابندی نہ کر سکی اور کمیٹی کے اہم رکن جناب عبدالرحمٰن بن عوف بنیادی شرطوں کو نظر انداز کر گئے

حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا [۲]۔

"علیؓ، عثمان، زبیرؓ، سعد اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ایک مکان میں جمع کرنا کسی کو ان کے پاس آنے جانے نہ دینا، تین روز کے اندر وہ باتفاق رائے اپنے

---

[۱] ابنِ خلدون جلد اوّل صہ ۳۸۷ مترجم حکیم حسین الہٰ آبادی نفیس اکیڈمی کراچی

[۲] ابنِ خلدون جلد اوّل صہ ۴۰۵ مترجم حکیم حسین الہٰ آبادی نفیس اکیڈمی کراچی

میں سے کسی کو خلیفہ بنالیں اور اگر اختلاف رائے ہو تو کثرت رائے پر عمل کیا جائے اگر صورت مساوات ہو (یعنی ووٹ برابر ہوں۔ مولف) تو عبداللہ ابن عمرؓ حکم بنائے جائیں۔ عبداللہ ابن عمرؓ اس فریق سے اتفاق کریں جس میں عبدالرحمٰن بن عوف ہوں"۔ واضح رہے کہ طلحہ ان دنوں دستیاب نہیں تھے اور وہ بیعت عامہ کے دن لوٹے تھے ؎

عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے امیدواری سے دست برداری اختیار کی اور جب معاملات انتہائی مرحلے میں داخل ہو گئے تو انہوں نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؑ کے درمیان خلافت کی نامزدگی کے لئے کچھ اصول پیش کئے انہوں نے ؎ حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر تین مرتبہ پوچھا کہ اگر ہم تمکو ولی امر اور امام قرار دیں تو تم کتابِ خدا سنّتِ رسولؐ اور سیرتِ ابوبکرؓ و عمرؓ پر عمل کرو گے۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ قرآن و سنّتِ رسولؐ پر عمل کروں گا۔ لیکن سیرتِ شیخین کا پابند نہ رہوں گا۔ بلکہ اپنے اجتہاد کو کام میں لاؤں گا۔ یہ سُن کر عبدالرحمٰن بن عوف نے تین مرتبہ حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ اگر ہم تم کو امام مقرر فرمائیں تو کتاب اللہ اور سنّتِ رسولؐ اور سیرتِ شیخین پر عمل کرو گے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا، ہاں ضرور عمل کروں گا۔ پس اولاً عبدالرحمٰن بن عوف نے بیعت کی۔ ان کے بعد اور لوگوں نے۔

حضرت علیؑ نے انتخابی کمیٹی کے ایک رکن جناب عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی شرائط پہلی دو شرطوں قرآن اور سنّت کو قبول کر کے اور اس کے بعد کسی اور شرط کو مسترد کر کے اپنی واضح پالیسی کا اعلان کیا کہ وہ ان دو امور کے ساتھ کسی مزید شرط کو شامل کرنے کے حق میں نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے ذاتی اجتہاد کو فوقیت دیتے ہیں۔ حضرت علیؑ صرف

۱: ابنِ خلدون جلد اوّل | صفحہ ۷۰۸ | نفیس اکیڈمی کراچی

۲: تاریخِ احمدی ۱۳۳ | نواب احمد حسین خاں | حق برادرز لاہور

تیسری شرط کو تسلیم نہ کرنے کی بناء پر انتخابی کمیٹی کی تائید حاصل نہ کرسکے۔ اور خلافت حضرت عثمانؓ کو حاصل ہوگئی۔ حضرت علیؑ اپنے موقف پر اس قدر ثابت قدم رہے کہ جب انھیں خلافت ملی تو انہوں نے تمام انتظامی، معاشی اور سماجی پالیسیوں میں شیخین کے احکامات اور حکمت عملیوں سے ممکنہ حد تک اختلاف کیا۔ مثلاً امیر معاویہ کو معزول کردیا۔ حالانکہ علیؑ سے کہا گیا کہ انہیں نہ چھیڑیں۔

حضرت علیؑ نے قرآن اور سنّت کے بعد اپنے اجتہادی استحقاق کو تسلیم کرنے کا اقرار چاہا تھا۔ یہی امام حسنؑ نے کیا اور قرآن و سنّت کے بعد اپنے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرایا

طبری کے مطابق امام حسن کی بیعت کا احوال بتاتا ہے کہ امامؑ نے وضاحت اور صراحت کے ساتھ اپنی خلافت کے بنیادی اُصول وہی قرار دیئے تھے جو خود حضرت علیؑ کا موقف تھے۔ طبری لکھتا ہے[۱]

"۴۰ ہجری میں حسن بن علی علیہ السلام سے خلافت کی بیعت ہوئی۔ سب سے پہلے قیس بن سعد نے یہ کہہ کر بیعت کی کہ اپنا ہاتھ بڑھایئے میں آپ سے خدائے عزّ وجل کی کتاب، اس کے نبیؐ کی سُنّت اور مُفسدوں سے جنگ کرنے پر بیعت کرتا ہوں، حسنؑ نے کہا کہ خدا کی کتاب اور نبیؐ کی سُنّت پر کہ یہی سب شرطوں پر شامل ہے۔"

امام حسنؑ سے بیعت پر مائل افرادِ سمجھتے تھے کہ امام حسنؑ سے بیعت کے بنیادی اُصول کیا ہیں؟ اسی لئے قیس بن سعد نے بیعت کا آغاز ہی قرآن اور سُنّت پر کیا حضرت علیؑ کے حامی اس امر سے واقف تھے کہ علیؑ اور اولادِ علیؑ قرآن اور سنّت کی سختی سے پابندی کرتی ہے۔ اور اس سے سرمو ہٹنے کو تیار نہیں ہے۔ حضرت علیؑ تو اس پابندی کے اس قدر

---

[۱] طبری جلد چہارم صفحہ ۲۳ مترجم حیدر علی طباطبائی نفیس اکیڈمی کراچی

قائل تھے کہ انھوں نے امیر معاویہ کی تمام چالوں کے جواب میں قرآن اور سنت کا دامن نہ چھوڑا اور فرمایا کرتے تھے۔

"معاویہ مجھ سے زیادہ صاحب بصیرت نہیں لیکن وہ جعل وفریب سے کام لیتا ہے۔"

حضرت علیؑ کا قرآن و سنّت سے تمسک امام حسنؑ کے مزاج میں بھی شامل تھے اس لئے انھوں نے قیس بن سعد کی بعیت لیتے وقت یہی کہا۔

"خدا کی کتاب اور سنّتِ نبیؐ کہ یہ سب شرطوں پر شامل ہے امام حسنؑ نے بعیت کے اس بنیادی اصول پر لوگوں کی فرمانبرداری قبول کی اور اس کے بعد اپنے اقتدار کو تسلیم کرانے کے لئے ایک فرمان پیش کیا کہ

"میں جس سے صلح کروں، اس سے صلح کرنا، میں جس سے جنگ کروں اس سے جنگ کرنا۔"

امام حسنؑ کی یہ شرط حالتِ امن اور حالتِ جنگ دونوں پر مشتمل تھی۔ اس فرمان آپؑ نے صلح اور جنگ دونوں حالتوں کا تذکرہ کیا ہے اس سے قطع نظر کہ امامؑ کے بعیت کے کون افراد اس فرمان سے گھبرا گئے۔ یہ ضرور ثابت ہے کہ امام حسنؑ نے اپنے والد بزرگوار کی طرح قرآن اور سنّت کی شرط اس قدر استوار تھی کہ امامؑ کا اجتہاد اس شرط کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔

امام حسنؑ کے حلقۂ بعیت بعض افراد جنگ کے نام سے خوف زدہ ہو گئے۔ یہ کہنا ہے کہ امام حسنؑ نے صلح کا ذکر کیا تو لوگوں نے کہا۔

"یہ شخص ہمارے کام کا نہیں ہے۔ ان کا ارادہ جنگ کرنے کا ہی نہیں ہے۔"

طبری حصہ چہارم صفحہ ۲۶ مترجم حیدر علی طباطبائی نفیس اکیڈمی کراچی

امام حسنؑ نے جس شدّت کے ساتھ صلح کا ذکر کیا تھا اسی شدّومد کے ساتھ جنگ کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ اس لئے یہ سمجھنا کہ امامؑ کے ارادہ صلح سے لوگ بدظن ہو گئے دراصل یہ ثابت کرنے کی کوشش ہے کہ امام حسنؑ ابتداء سے صلح کرنے کی طرف مائل تھے۔ امام حسنؑ کو صلح کی طرف مائل ثابت کرنے کا مقصد حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے موقف کے درمیان فرق ظاہر کرنا ہے، حالانکہ صورتحال اس کے برعکس ہے۔ حضرت علیؑ نے جنگِ جمل اور جنگِ صفّین میں نبرد آزمائی کر کے ثابت کر دیا تھا کہ وہ میدانِ جنگ میں فیصلہ کرنے کا ارادہ کر چکے تھے کیونکہ فریقِ مخالف انہیں زبردستی جنگ تک لے کر آ گیا تھا۔ یہی وہ موقف تھا جس پر امام حسنؑ بھی قائم تھے۔

حضرت علیؑ کے لشکر میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جو بادلِ نخواستہ شریک تھے۔ اپنی سابقہ وفاداریوں کی وجہ سے یا دیگر معاشی مجبوریوں کی وجہ سے یہ طبقہ جنگ کا مخالف تھا۔ اس طبقے نے جنگِ صفّین کے ایک نازک موڑ پر حضرت علیؑ کو جنگ روکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان میں سے بعض افراد ابھی تک امام حسنؑ کی فوج میں شامل تھے۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ امام حسنؑ صلح کے ساتھ ساتھ جنگ کا نعرہ بھی لگا رہے ہیں تو انہوں نے سازشانہ کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ اب تک یہ طبقہ یہ سمجھ رہا تھا کہ حضرت علیؑ کے بعد امام حسنؑ مخالف قوت سے عدم تصادم کی پالیسی اختیار کریں گے مگر جب انہوں نے اپنے کانوں سے قیس بن سعد کی یہ بات سُنی کہ مفسدوں سے جنگ کرنے پر بیعت کرتا ہوں اور اس کے بعد امام حسنؑ نے خطبہ میں جنگ کا ذکر بھی کر دیا تو اس عیش پسند اور مصلحت پسند ٹولے کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اس کے نزدیک امام حسنؑ کو مخالف فریق سے نبرد آزما ہونے کی بجائے لشکریوں کو فرصت مہیّا کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہونا چاہیے تھے مگر امام حسنؑ نے قرآن اور سنّت کی شرط پیش کر کے معاشرتی اقدار میں استحصال اور تخریب کاری کی مخالفت کی۔ اور جنگ کا ذکر کر کے لیے علی کے خلاف فیصلہ دے دیا

تو مصلحت پسند اور مال و دولت کا متلاشی طبقہ انگشت بدنداں رہ گیا، اور اس نے امام حسنؑ کے خلاف سازشوں کا جال بچھا دیا۔

امام حسنؑ نے قرآن اور سنت کا حوالہ دیا تو اس سے ظاہر تھا کہ وہ اپنے بیعت کرنے والوں کو شریعت کا پابند بنانا چاہتے تھے اور انہیں ایسے مواقع فراہم پر تیار نہیں تھے۔ جن کے ذریعہ کوئی مراعات یافتہ ٹولہ وجود میں آئے اور محروم طبقوں کا معاشی استحصال کر سکے۔ جب کہ امیر معاویہ نے اپنے گرد ایک مراعات یافتہ ٹولہ اکٹھا کر لیا تھا۔ جسے دیکھ کر امام حسنؑ کے لشکر کے دنیادار بھی یہی چاہتے تھے کہ امام حسنؑ انہیں چھوٹ دے دیں۔ لیکن امام حسنؑ کو حضرت علیؑ کے نقش قدم پر چلتا دیکھ کر یہ مفادات پسند ٹولہ امامؑ سے عدم تعاون کی پالیسی پر عمل پیرا ہو گیا۔

حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے تمام لشکری غیر وفادار نہیں تھے ان میں ایسے وفادار اور جاں نثار بھی تھے جو حضرت علیؑ اور حضرت امام حسنؑ سے کُلّی وفادار تھے اور ان کی وفاداریاں غیر مشروط تھیں۔

حضرت علیؑ کے ایک حامی عدی بن حاتم کی وفاداری تاریخ کا حصہ بن چکی ہے۔ اُنہوں نے امیر معاویہ کے دربار میں حضرت علیؑ کی مصاحبت پر فخر کا اظہار کیا حالانکہ اس وقت مصلحتاً انہیں خاموش رہنا چاہیئے تھا۔ اس واقعے کو ابنِ خلدون نے اس طرح تحریر کیا ہے[1]

ایک روز عدی بن حاتم امیر معاویہ کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ امیر معاویہ نے ازراہِ مذاق امیر المومنین حضرت علیؑ کی مصاحبت پر طنز کیا۔ عدی نے ترش رو ہو کر کہا "واللہ وہ قلوب جس سے ہم نے تم سے عداوت کی تھی ہمارے سینوں میں ہیں، اور بے شک وہ تلواریں جن سے ہم تم سے لڑ رہے تھے ہمارے قبضے میں

---

[1] ابن خلدون جلد دوم صفحہ ۲۴ مترجم حکیم احمد حسین الہ آبادی نفیس اکیڈمی

ہیں ۔ اگر تم ایک بالشت بھی بد عہدی سے ہماری طرف بڑھو گے تو ہم بُرائی سے تمہاری طرف پانچ ہاتھ بڑھیں گے۔ اور بلا شبہ موت کا خوف اور حالتِ نزاع کی تکلیف ہمارے لئے آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ ہم حضرت علی بن ابی طالبؑ کے حق میں کوئی نا ملائم کلمہ سُنیں۔ اے معاویہ تلوار کی بُو سے تلوار اٹھالی جاتی ہے۔"

جناب عدی بن حاتم کی یہ گفتگو حامیانِ علیؑ کے حوصلوں کی نشاندھی کرتی ہے۔ جناب عدی نے امیر معاویہ کو یہ بتا دیا کہ علیؑ کے حامیوں کے دلوں میں علیؑ کی محبت ہے اور ان کے حریفوں سے عداوت کا جذبہ زندہ ہے اور وہ بد عہدی کی صورت میں طاقت کے مظاہرہ سے دامن کشیدہ نہیں ہوں گے ۔ عدی کے ایک ایک لفظ سے حامیانِ علیؑ کے موقف کی تائید ہوتی ہے ۔ ایسے حامیانِ علیؑ بھی امام حسنؑ کو ورثے میں ملے تھے۔ ان میں قیس بن سعد بھی تھے جو امیر معاویہ کے ہاتھوں کسی قیمت پر نہیں بکے ایسی صورت حال میں یہ سمجھنا کہ امام حسنؑ بروز بیعت صلح کی طرف مائل تھے یا انہوں نے حضرت علیؑ کے برخلاف کوئی موقف اختیار کیا تھا تاریخی تجزیے کے برخلاف ہوگا۔ امام حسنؑ کا ہر معاملہ میں وہی موقف تھا جو حضرت علیؑ کا تھا۔

حضرت علیؑ نے خلافتِ اوّل، دوئم اور سوئم میں جس تعاون کا اظہار کیا تھا اس کی مخالفت امام حسنؑ کی جانب سے کبھی نہیں ہوئی حالانکہ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بھی اس بات کو جانتے تھے کہ بنی ہاشم خود کو خلافت کا حقدار سمجھتے ہیں ۔

حضرت عمرؓ اور عبداللہ ابنِ عباسؓ کی گفتگو جو الفاروق میں شبلی نعمانی نے تحریر کی ہے اس کے حوالے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بنی ہاشم خلافت کے معاملہ میں اپنا استحقاق سمجھتے تھے ۔ اس ضمن میں حضرت علیؑ کی جانب سے کسی عملی کارروائی کی مثال نہیں ملتی۔ اور حضرت امام حسنؑ نے کبھی اس سلسلے میں کوئی زبانی یا عملی اقدام نہیں کیا۔

شبلی نعمانی الفاروق میں لکھتے ہیں[۱] کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے گفتگو کی اور کہا کہ اے عبداللہ ابنِ عباسؓ میں نے سُنا ہے تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسداً چھین لی ہے یا ظلماً چھین لی ہے"۔
شبلی نعمانی نے یہ عبارت طبری کے حوالے سے لکھی ہے۔ اگرچہ یہاں بھی طبری کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ مگر شبلی نعمانی کے حوالے کا مقصد یہ ہے کہ اس واقعہ کو شبلی نے بھی سند تسلیم کیا ہے۔

یہ واقعہ بنی ہاشم کی سوچ کا آغاز ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ کے سوال پر تردید نہیں کی۔ بلکہ غیر واضح جواب دیا۔ ورنہ وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خیال دُرست نہیں ہے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے یہ مان لیا کہ بنی ہاشم امورِ خلافت میں اپنے استحقاق کے قائل ہیں۔ تاہم حضرت علیؑ نے خلافتِ اول سے خلافت سوئم تک ایسے اقدامات نہیں کئے جن سے عملی اختلاف کی کوئی صورت نظر آتی۔ اسکے برخلاف علیؑ ہر معاملے میں خلافتوں کو صائب مشورے دیتے رہے اور معاونت کرتے رہے۔
یہی رویہ امام حسنؑ کا رہا۔ امام حسنؑ کی ولادت ۳ ہجری میں واقع ہوئی۔ اس حساب سے آپ حضرت عمرؓ کے دور میں تیرہ چودہ برس کے تھے مگر اس وقت سے کر حضرت عثمانؓ کے سانحہ تک آپ کی جانب سے کلی طور سے حضرت علیؑ سے ہم آہنگی ملتی ہے۔ امام حسنؑ نے کسی لمحہ کوئی ایسا اقدام نہیں کیا۔ جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ حضرت علیؑ کی خاموشی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ بچپن کا ایک واقعہ ضرور ہے کہ آپنے خلیفۂ وقت کو منبر پر بیٹھے دیکھ کر اعتراض کیا تھا۔ تاہم اسے بچپن پر ہی محمول کیا گیا تھا[۲]۔
خلافت سوئم میں جب انقلابیوں نے مختلف شہروں سے آکر قصرِ خلافت کا محاصرہ کرلیا۔

---

[۱] الفاروق — شبلی نعمانی — صفحہ ۲۶۶

[۲] سرد چمن — فوق بلگرامی — صفحہ ۱۸ — امامیہ پبلی کیشنز لاہور

توحضرت علیؑ نے حضرت عثمانؓ کو محفوظ رکھنے اور انقلابیوں کو ٹھنڈا کرنے کی مہم میں اہم کردار ادا کیا۔ اس وقت بھی امام حسنؑ نے وہی کیا۔ جو حضرت علیؑ نے چاہا۔ یہاں تک کہ بعض مورخین ان کو عثمانی کہنے لگے۔ حالانکہ یہ علیؑ کی خواہش تھی کہ حسنؑ خلیفۂ وقت کی حفاظت کریں اور امام حسنؑ نے اس خواہش کی تکمیل میں زخم بھی کھائے۔

امام حسنؑ علیؑ ہی کے موقف پر ہمیشہ قائم رہے۔ جب خلیفہ سوئم کا محاصرہ کیا گیا تو حفاظت کا فرض ادا کیا۔ اس کے بعد جب جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے معرکے ہوئے تو امام حسنؑ نے وہی کیا جو حضرت علیؑ چاہتے تھے۔

جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں مخالفین علیؑ قتل عثمانؓ کے قصاص کا نعرہ لگا کر سامنے آتے تھے۔ اگر حسنؑ کا موقف علیؑ کے مخالف ہوتا تو حسنؑ اس معاملے میں غیر جانب داری کا مظاہرہ کر سکتے تھے، اس وقت وہ بچے نہیں تھے بلکہ ایک معتبر اور باوقار نوجوان تھے۔ اور اگر علیؑ یہ سمجھتے ہوتے کہ حسنؑ سانحہ عثمان میں علیؑ پر معترض تھے تو وہ انہیں جنگِ جمل میں اہلِ کوفہ کو جنگ پر مائل کرنے اور اہلِ کوفہ پر اپنا موقف واضح کرنے کے لئے نمائندہ بنا کر نہ بھیجتے۔

جنگِ جمل میں جناب زبیر بن العوامؓ، جناب طلحہؓ اور اس جنگ کے محرک خاص جناب عبداللہ ابن زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کو ہی بنیاد بنایا تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ نے اہلِ بصرہ کو قصاص عثمان پر ابھارنے کے لئے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا[1]

"تمہاری خاطر ہم حضرت عثمانؓ کے عصا اور کوڑے سے خفا ہوتے رہے۔ تو کیا حضرت عثمان کی خاطر ہم تلوار پر طیش میں نہ آجائیں یاد رکھو تمہارے خلیفہ مظلوم مارے گئے ہیں۔"

[1] علیؑ تاریخ اور سیاست کی روشنی میں ڈاکٹر طہٰ حسین مترجم عبدالحمید نعمانی صفحہ ۳۲۹ نفیس اکیڈمی

ایک موقع پر امّ المومنین حضرت عائشہ نے کہا[1]

"واللہ عثمانؓ مظلوم مارے گئے ہیں۔ اُن کے خُون کا بدلہ لُوں گی"۔

حضرت عثمان کے مقرر کردہ عامل نے کہا[2]

"سب سے پہلے خون عثمان کا بدلہ لینے والا میں ہوں"۔

ابنِ خلدون نے مزید لکھا ہے۔

"ابن عامر اور یعلی بن امیّہ نے اپنے مال و اسباب سے قافلہ کی روانگی کا سر و سامان دُرست کیا۔ اور یہ منادی کرائی کہ ام المومنین عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ بصرہ جارہے ہیں، جس شخص کو اسلام سے ہمدردی اور خونِ عثمان کا بدلہ لینا منظور ہو اور اس کے پاس سواری نہ ہو وہ آئے۔ اس کو سواری مل جائے گی۔"

ابن خلدون نے ایک اور حوالہ بھی اس سلسلے میں معاملات کی وضاحت کے لئے ضروری ہے جو اسی صفحہ پر ہے۔

"سعید بن العاص، مروان بن حکم اور اس کے ہمراہی ام المومنین عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیر کے پاس گئے۔ خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کو کہا۔ ان لوگوں نے جواب دیا۔ ہم نے اسی غرض سے خروج کیا ہے کہ قاتلینِ عثمانؓ سے ہم قصاص لیں۔"

مندرجہ بالا واقعات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ جنگِ جمل کے پس منظر کے عوامل میں سرِفہرست قصاص عثمان کا نعرہ تھا۔ اس نعرے کے ذریعہ مخالفینِ علیؑ نے اپنے ساتھ لوگوں کو بُلالیا تھا اگرچہ اُن کا مقصد علیؑ کو بلیک میل کرنا تھا، تاکہ وہ علیؑ سے مراعات حاصل کر سکیں۔ اتفاق سے خونِ عثمانؓ کے قصاص کا نعرہ انہیں حاصل ہو گیا۔ اور اس سے انہوں نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔ جنگِ جمل میں مخالفین علیؑ کے مقاصد کچھ بھی

---

[1] ابنِ خلدون حصّہ اول مترجم حکیم احمد حسین الہ آبادی صفحہ ۴۸۴ نفیس اکیڈمی کراچی

[2] " " " " " صفحہ ۴۸۵ " "

رہے ہوں مگر یہ بات ظاہر ہے کہ ان کے پاس ایک ہی نعرہ تھا اور وہ تھا خونِ عثمانؓ کا بدلہ"۔ اگر امام حسنؑ کسی طور سے بھی حضرت عثمان کے سانحہ میں حضرت علی کو شریک سمجھتے تو وہ کم سے کم جنگِ جمل کے موقع پر غیر جانب داری کا مظاہرہ کر سکتے تھے۔ ہم سمجھ سکتے تھے کہ امام حسنؑ اس امر میں علیؑ سے اختلاف رکھتے تھے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جنگِ جمل کے لئے افرادی قوت کے حصول میں امام حسنؑ نے حضرت علیؑ کا بھرپور ساتھ دیا۔ حضرت علیؑ کو کوفہ سے مدد نہیں مل رہی تھی وہاں ابوموسیٰ اشعری لوگوں کو جنگ میں شرکت سے روک رہے تھے[1]

حضرت حسنؑ، عمار بن یاسرؓ اور ہاشم بن عتبہ وغیرہ کوفہ پہنچے تو دیکھا کہ ابوموسیٰ اشعری وعظ و پند کے ذریعے لوگوں کو جنگ میں شرکت سے روک رہے تھے کہ لوگوں میرا کہنا مانو تم تمام عرب کی بیخ و بنیاد بن جاؤ کہ مظلوم تمہارا سہارا پکڑیں اور خوف زدہ تمہارے دامن میں پناہ لیں، لوگو! جب فتنہ آتا ہے تو پہچانا نہیں جاتا۔ جب گزر جاتا ہے تب اُس کی حقیقت ظاہر ہوتی۔ معلوم نہیں اس فتنہ کا سرچشمہ کہاں سے پھوٹا ہے۔ اپنی تلواروں کو نیام میں کرلو۔ نیزوں کے پھل اُتار ڈالو۔ کمانوں کی تانت کاٹ ڈالو۔ لوگو! فتنہ کے زمانہ میں سونے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا اس میں پڑ جانے سے بہتر ہے۔

جناب ابوموسیٰ اشعری کی خطابت کے اثرات بہت پڑ رہے تھے اور اہلِ کوفہ اس جنگ میں غیر جانب دار تھے۔ یہ صورتحال علیؑ کے لئے پریشان کن تھی کیونکہ کوفہ کے لوگ اس وقت تک کسی سیاسی چپقلش میں شریک نہیں تھے۔ وہ اس بات کے قائل تھے کہ جو اقتدار پر ہے اسی کی طرف داری کرنا چاہیئے۔ اس طرح جو افرادی قوت کوفہ سے خلیفہ حضرت علیؑ کو ملنا چاہیئے تھی۔ اس میں جناب ابوموسیٰ اشعری کی

[1] تاریخ اسلام شاہ معین الدین ندوی صفحہ ۳۱۵ ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی کراچی

کوششوں سے رکاوٹ پڑ رہی تھی۔ اس کٹھن موقع پر جب اہلِ کوفہ اشعری کے طلسم میں تھے۔ اور انہیں غیر جانب دار رہنے میں فوائد بھی تھے۔ امام حسنؑ نے اپنی تقریر اور دلائل سے اُن کو علیؑ کی حمایت پر کمربستہ کرلیا۔[۱]

"چنانچہ آپ (علیؑ) کے ساتھ نو ہزار آدمی ہو گئے۔ کچھ لوگ خشکی کے راستے، اور کچھ دریا کے راستے مقام ذی قار میں حضرت علیؑ سے جا کر مل گئے۔"

کوفہ کے نو ہزار افراد کو ان لوگوں کے خلاف میدان جنگ میں لے آنا جو خونِ عثمانؓ کے قصاص پر تلواریں لے کر جنگ میں کود پڑے ہوں۔ امام حسنؑ کے اس موقف کی نشاندہی کرتا ہے جس پر امام حسنؑ ڈٹے ہوئے تھے۔ ابنِ خلدون لکھتا ہے[۲]

حسنؑ بن علیؑ نے کوفیوں کو بطور فوج مرتب کیا اور کنانہ، اسد، تمیم، رباب، مزینہ پر معقل بن یسار ریاحی کو، قبائل قیس پر سعد بن مسعود ثقفی (عمِ مختار ثقفی کو) بکر تغلب اور ملقہ پر مخدوج ذہلی کو، مذحج اور اشعرین پر حجر بن عدی، انمار خثعم اور ازد پر مخنف بن سلیم کو سرداری عنایت کی۔ اور خاص کوفہ والوں پر قعقاع بن عمرو، سعد بن مالک، ہند بن مالک، ہند بن عمرو، ہیثم بن شہاب کو مقرر کیا۔ جنگ ترغیب دینے والے زید بن صوحان، عدی بن حاتم اشتر مسیب اور یزید بن قیس جیسے لوگ تھے۔"

امام حسنؑ یہ سب اس جنگ کی تیاری کے لئے کر رہے تھے جو لڑی جانے والی تھی اور جسے جنگِ جمل کا نام ملنے والا تھا۔ دونوں فریق واضح اکثریتوں اور واضح حلیفوں کے ساتھ آمنے سامنے تھے۔ حریفانِ علیؑ جس مقصد کی آڑ میں اپنے ہمدردوں کو جمع

---

[۱] نقوش رسول نمبر جلد سیزدہم صفحہ ۴۰۲ (در اصل یہ ابوالنصر کی کتاب کا ترجمہ ہے)

[۲] ابنِ خلدون حصہ اول صفحہ ۴۹۶ مترجم حکیم احمد حسین نفیس اکیڈمی

کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ وہ حضرت علیؑ اور امام حسنؑ پر غیر واضح نہ تھا، اب بھی اگر امام حسنؑ کے موقف کو حضرت علیؑ کے موقف سے متصادم قرار دیا جائے تو اسے کج فہمی کے سوا کچھ اور نہیں کہا جا سکے گا۔

جنگِ جمل کے موقع پر حضرت علیؑ نے امام حسنؑ کو دائیں بازو کا سالار مقرر کیا تھا اس بازو نے جنگ میں حسن جاں بازی کا مظاہرہ کیا۔ اور دشمن کو شکست سے قریب تر کر دیا تھا۔ اس کے لئے لمبے چوڑے حوالوں کی ضرورت نہیں ہے۔

جنگِ جمل میں کامیابی کے بعد حضرت علیؑ نے جناب عبداللہ ابن عباسؓ کے ذریعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ مدینہ چلی جائیں مگر انہوں نے عبداللہ ابنِ عباسؓ کی بات نہ مانی تو یہ اہم ذمہ داری امام حسنؑ کے سپرد کی گئی اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت علیؑ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو جنگی خدمات سے دُور رکھتے تھے مگر اس کی وجہ ان کی جنگی مہارتوں سے بے اطمینانی نہیں تھی۔ اس سلسلے میں جنگِ صفین میں آپؑ نے اپنے فرزند محمد حنفیہؓ سے مخاطب ہو کر کہا تھا کہ " میں تم کو بار بار جنگ میں اس لئے بھیجتا ہوں کہ تم پر میرا حق ہے اور حسنؑ حسینؑ پر حضورؐ کا حق ہے۔ حسنؑ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت مشابہ تھے۔ حضورِ گرامی کی ذات سے حضرت علیؑ کو جو محبت تھی اُس کے پیشِ نظر وہ امام حسنؑ کو کسی تہلکہ میں ڈالنے سے گریز کرتے تھے۔ لیکن وہ تمام ذمّے داریاں جو اہلِ بیتؑ پر عائد ہوتی تھیں اُنہیں علیؑ نے حسنؑ کے سپرد کر رکھا تھا۔

جنگِ صفین اور نہروان میں بھی امام حسنؑ کی عملی شرکت ثابت ہے۔ صفین میں آپ علمبردار تھے۔[۱] تحکیم کے معاہدہ پر دستخط کئے اور نہروان میں خوارج سے جنگ کی۔

---

[۱] تاریخ حسن مجتبیٰ خواجہ محمد لطیف انصاری صفحہ ۴۸۵ امامیہ پبلیکیشنز گنپت روڈ لاہور

امام حسن کی بیعت کے واقعہ سے لے کر آخری لمحہ تک کے واقعات کا مشاہدہ کیا جائے تو صاف طور سے نظر آتا ہے کہ آپؑ نے اپنے والد بزرگوار کی پالیسیوں کو ہی پسند فرمایا تھا اور اُن پر چلنے کا ارادہ کیا تھا، اگروہ اپنے والد کی پالیسیوں سے ذرّہ برابر بھی اختلاف رکھنے والے ہوتے تو مروان بن حکم اور اس کے حواری آپؑ کے جنازے پر تیر اندازی کرنے نہ نکل آتے۔ امام حسنؑ کی تدفین کے موقع پر خونِ عثمانؓ کے ایک اہم دعوے دار مروان بن حکم نے جو کچھ کیا وہ دو مختلف حوالوں سے پیشِ خدمت ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ حضرت علیؑ پر قتلِ عثمان کی جو ذمّے داری ڈالتے تھے اسمیں امام حسنؑ کو بھی شریک کرتے تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے سیرتِ عائشہؓ میں لکھا ہے۔[له]

" امام حسنؑ نے ۴۹ھ میں امیر معاویہ کے زمانہ میں مدینۂ منورہ میں وفات پائی۔ حضرت عائشہ کے حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ مدفون ہیں۔ ایک گوشہ میں ایک قبر کی جگہ باقی تھی، امام حسنؑ نے بھائی سے وصیت کی تھی کہ میری لاش اسی جگہ دفن کی جائے اور اگر کوئی مزاحم ہو تو جنگ و جدال کی ضرورت نہیں ہے۔ امام حسینؑ نے جب وصیّت کی تعمیل کرنی چاہی تو مروان بن حکم نے مخالفت کی کہ جب یہاں عثمانؓ کو باغیوں نے دفن نہ ہونے دیا تو کسی اور کو بھی اجازت نہیں ہو سکتی۔ تذکرۂ خواص[ٹه] میں سبط ابن جوزی نے ابنِ سعد کے حوالے سے لکھا ہے۔

" امام حسینؑ نے چاہا کہ آپ کو رسُول اللہؐ کے حجرہ میں دفن کریں، بس بنی اُمیّہ مروان اور سعید بن عاص جو کہ حاکم مدینہ تھا اس امر سے مانع ہوا ....."

ابنِ سعد نے کہا ہے کہ " حضرت عائشہ بھی اُن کے ساتھ کہنے لگیں۔ " رسول اللہؐ کے ساتھ کوئی دفن نہیں ہو سکتا۔"

له سیرتِ عائشہؓ	سید سلیمان ندوی	صفحہ ۱۵۰	اُردو اکیڈمی سندھ کراچی
ٹه تذکرۂ خواص	سبط ابن جوزی	" ۲۶۳	مکتبۂ نینوا ادب

ابن سعد کا یہ بھی بیان ہے کہ مروان نے امیر معاویہ کو خط لکھا کہ بنی ہاشم نے چاہا تھا کہ حسنؓ کو رسول اللہ کے پاس دفن کریں اور سعید بن عاص بھی اس معاملے میں بنی ہاشم کا ہمنوا ہو گیا تھا، میں نے عثمان مظلوم کی وجہ سے انھیں روک دیا کہ عثمانؓ تو جنت البقیع میں دفن ہوں اور حسنؓ رسول اللہؐ اور ابوبکرؓ کے ساتھ دفن ہو جائے اس پر معاویہ نے انہیں شکریے کا خط لکھا۔

حضرت عثمانؓ کے حامیوں کا موقف یہ تھا کہ وہ ہر اس شخص کو رعایت دینے پر تیار نہیں تھے جسے وہ عثمانؓ کے معاملے میں سزاوار قرار دیتے تھے۔ انہوں نے اسی وجہ سے امام حسنؑ کو اپنے نانا کے حجرے میں دفن نہیں ہونے دیا۔ حالانکہ وہاں ایک قبر کی گنجائش تھی۔ بنی امیہ نے امام حسنؑ کی تدفین میں رکاوٹ کا جواز حضرت عثمانؓ کی تدفین کو بنایا تھا۔ حضرت عثمان کو رات کے اندھیرے میں دفن کرنا پڑا تھا۔ تاہم بنی امیہ امام حسنؑ کی تدفین کے معاملے کو حضرت عثمان کی تدفین کے معاملے سے ملوث کر رہے تھے۔ یہی نہیں جب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر مدینہ پہونچی تو عمر بن سعید بن العاص نے بنی ہاشم کی خواتین کے گریہ کو سُن کر کہا تھا۔

[1] "یہ ہے حضرت عثمان پر بنی امیہ کی خواتین کے گریہ کا جواب

حامیانِ عثمان امام حسنؑ کے خلاف ہر کارروائی پر تیار تھے' ظاہر ہے کہ اس سے امام حسنؑ کے نظریات' افکار اور پالیسیوں کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے

---

[1] تاریخ طبری حصہ چہارم مترجم حیدر علی طباطبائی صفحہ ۳۰۸ نفیس اکیڈمی کراچی

حضرت امام حسنؓ کے حامی

امام حسنؓ کے لشکر کا تذکرہ ہوتا ہے تو افراتفری، بدنظمی، اور بے وفائی کی تصویر پیش کی جاتی ہے، اور اس تصویر کو حقیقت ثابت کرنے کے مختلف تاریخی حوالوں سے ایک واقعہ بھی پیش کیا جاتا ہے جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ آپؓ سے لشکریوں کی بدظنی ثابت کی جاسکے۔

"[1] یہ مشہور ہو گیا کہ قیس بن سعد مارے گئے" اس خبر کا مشہور ہونا تھا کہ لشکر میں ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی، ایک دوسرے سے الجھ گیا، چند لوگ امام حسنؓ کے خیمے کی طرف جھپٹے، جو کچھ پایا، لوٹ لیا۔ اندر گھُسے تو اس بساط اور چادر کو بھی چھین لیا، جس پر آپ بیٹھے اور جس کو آپ اوڑھے ہوئے تھے۔" یہ واقعہ تھوڑے بہت لفظی الٹ پھیر سے معتبر کتابوں میں موجود ہے اور محض اسی کی بناء پر امام حسنؓ کے تمام لشکر کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے، اس واقعے کو مزید سمجھنے کے لئے سبط ابن جوزی کا بیان یوں ہے۔[2]

---

[1] ابن خلدون جلد اول صفحہ ۵۵۶ مترجم احمد حسین الہ آبادی نفیس اکیڈمی کراچی

[2] تذکرۃ الخواص ،، ۲۴۵ مترجم صفدر حسین نجفی تعمیر ادب لاہور

"اچانک کسی نے لشکر میں منادی کر دی۔ یاد رکھو قیس قتل ہو گیا ہے، پس بھاگ چلو یہ لوگ امام حسنؓ کے خیام کی طرف بھاگے اور آپ کو لوٹنا شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ مسند بھی کھینچ لی جو آپ کے نیچے تھی۔"

امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کی تعداد چالیس ہزار تھی جن میں سے امام حسنؓ نے بارہ ہزار کا ایک لشکر جرار مقدمۃ الجیش کی حیثیت سے آگے روانہ کر دیا تھا۔ قیس بن سعد حضرت علی اور امام حسنؓ کے بہت بڑے حامی تھے۔ ان کا شمار عرب کے بڑے مدبرین میں ہوتا تھا۔ وہ امیر معاویہ کے رعب اور کسی لالچ میں بھی نہیں آئے اگر امام حسنؓ کو اپنے لشکر سے بدظنی ہوتی تو آپ جناب قیس بن سعد کو آگے روانہ نہ کرتے لیکن امام حسنؓ کا اطمینان کے ساتھ مقدمۃ الجیش کو روانہ کرنا اور کچھ فاصلے پر قیام اس بات کا غماز ہے کہ امام اپنے لشکریوں سے مطمئن تھے اور یہ بھی کہ امامؓ معاملات کو جنگ کے ذریعہ حل کرنے کی پالیسی پر گامزن تھے کیونکہ جنگ ان پر مسلط کر دی گئی تھی اور بجز مقابلہ کے کوئی اور راستہ تھا ہی نہیں۔ ورنہ لشکر جمع کرنا اور قیس بن سعد کو بارہ ہزار جنگجوؤں کے ہمراہ آگے روانہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ امام حسنؓ کا یہ اقدام اس امر کا ثبوت ہے کہ امام نے اپنے خطبۂ اوّل میں صلح کے لئے نہیں بلکہ جنگ کے لئے بیعت طلب کی تھی اور یہ کہنا کہ لوگ سمجھ گئے کہ حسنؓ صلح کرنے والے ہیں تاریخ کا ایک غلط تجزیہ ہے۔ امام بیعت کے پہلے دن سے مقابل کی افرادی قوت کے تکبّر کو بذریعہ طاقت ختم کرنا چاہتے تھے۔ جب مقابل کی قوت نے یہ دیکھا کہ امامؓ نے جنگ کرنے پر لوگوں سے بیعت لی ہے اور لوگ سر سے کفن باندھ کر میدان جنگ میں آگئے ہیں۔ بارہ ہزار جنگ باز روانہ ہو گئے ہیں اور مزید جنگی تیاریاں ہو رہی ہیں تو اس نے سابقہ روایات کے مطابق سازش کا جال بچھایا۔ اس سازش کی نشاندھی

اس بات سے ہوتی ہے

"اچانک کسی نے لشکر میں منادی کرادی ، خبردار! قیس بن سعد قتل ہو گیا ہے
بس بھاگ چلو"

ایک بڑے لشکر میں کوئی افواہ پھیلانا مشکل بات نہیں ہے اس افواہ سے جس کو فائدہ ہونا تھا یقیناً وہی اس کا ذمہ دار ہوگا اور لا محالہ یہ امیر معاویہ کے زرخرید بھیجے ہوئے جاسوس یا درپردہ اہلِ بیت کے دشمنوں کی سازش ہو سکتی ہے ۔ امیر معاویہ کے مشیر اس جنگی چال کا ایک تجربہ پہلے بھی کر چکے تھے ۔ اور خاطر خواہ فائدہ بھی اٹھا چکے تھے ۔

جنگِ احد کے موقع پر کفار کو جو کامیابی حاصل ہوئی تھی[1] اس میں بھی یہی افواہ کارگر ثابت ہوئی تھی کہ حضور شہید ہو گئے ہیں اس وقت ابوسفیان کے لشکر میں عمر بن عاص موجود تھے ' اس افواہ کا اثر تھا کہ حضرت عثمانؓ جیسے صحابی تین روز کے بعد لوٹ کر آئے تھے ' بعض اصحابِ رسولؐ کی شکستگی کا عالم یہ تھا کہ وہ ابوسفیان سے امان طلب کرنے اور پرانے دین پر پلٹ جانے پر تیار تھے[1]

"ایک بولا کاش کوئی شخص ہمارا قاصد بن کر عبداللہ ابن ابی کے پاس جاتا اور اس سے کہتا کہ وہ ہمارے لئے ابوسفیان سے امان طلب کرے ۔ اے لوگو! محمدؐ قتل ہو چکے ' پس بہتر ہے کہ تم اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ تاکہ وہ تمھیں پناہ دے سکیں ' اس سے قبل کہ کفار یہاں پہنچ کر تمہیں قتل کر ڈالیں ۔ کیونکہ وہ تو ہمارے گھروں کے اندر تک داخل ہو جائیں گے ۔"

جنگِ احد کے موقع پر حضورؐ کی موجودگی میں افراتفری اور وہ بھی اصحاب کی صفوں میں محض ایک افواہ کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ' اس وقت امیر معاویہ کے

---

[1] محمد رسول اللہؐ شیخ محمد رضا ترجمہ مولوی محمد عادل قدوسی صفحہ ۲۷۹ تاج کمپنی پاکستان

معتبر مشیر عمرو بن عاص اہلِ اسلام کے مخالف لشکر اور ابو سفیان کی سرکردگی میں افواہ کے اثرات کا مطالعہ کر چکے تھے۔ وقت نے ایک پھر اسی قسم کے حالات پیدا کر دیئے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس بار لشکر کی سربراہی رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بجائے ان کا وہ نواسا کر رہا تھا جس کی منزلت اور محبت کے لئے حضورؐ کی بیشمار احادیث موجود ہیں، جن کیلئے اس کتاب کے متعلقہ باب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

امیر معاویہ کا وہ لشکر جس میں عمر عاص ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ صحابی رسولؐ حضرت عمار یاسرؓ کی نظر میں جو حیثیت رکھتا تھا وہ ملاحظہ کیجئے، "ایک شخص ان کی خدمت میں جنگِ صفین کے درمیان حاضر ہوا۔ اور اس نے اپنے اضطراب کا اظہار کیا۔ "دونوں طرف سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے۔ فریقین ایک ہی طرح نماز پڑھتے ہیں ایک ہی انداز میں دُعا کرتے ہیں ہماری کتاب اور رسولؐ ایک ہے ان حالات سے شک میں مبتلا ہوں۔

جناب عمارؓ نے کہا

"کیا تم اس سیاہ پرچم کو دیکھتے ہو جو ہم سے برسر جنگ ہے یہ عمر بن عاص کا پرچم ہے میں عمار یاسرؓ رسولِ پاکؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اس پرچم کے حامل لشکر سے تین مرتبہ جنگ کر چکا ہوں، یہ چوتھی بار ہے کہ اس طاغوتی لشکر سے برسر پیکار ہوں۔"

امیر معاویہ کا لشکر جس کے بارے میں حضرت عمار یاسرؓ صحابی رسول کا تبصرہ تھا کہ وہ طاغوتی لشکر ہے اور جس کے پرچم بردار عمر بن عاص کے ضمن میں خصوصی ذکر کیا گیا تھا۔ وہی لشکر امام حسنؑ کے مدِمقابل تھا اس میں عمر بن عاص موجود تھا اس نے جنگِ اُحد کی پُرانی حکمتِ عملی پر عمل کیا۔ اور اپنے کارندوں کے ذریعہ پہلے تو امامؑ کے لشکر میں افواہ پھیلائی اور فوراً ہی اپنے مخصوص لوگوں کی مدد سے امامؑ کے خیمہ پر حملہ بھی کرا دیا۔ یہ دشمن کے چند افراد کی کارستانی تھی امامؑ نے کبھی تمام لشکر کے خلاف بدگمانی

کا اظہار نہیں کیا۔ البتہ اہلِ کوفہ کے ان عناصر پر ضرور اظہارِ ناراضگی کیا ہے جو دشمن سے جا ملے تھے ان میں ان کے خصوصی انصار شامل نہیں ہیں کیونکہ معاہدۂ امن میں اپنے انصار کے لئے امن و امان کی شرط شامل ہے اگر وہ اپنے انصار کی بے وفائی سے دل برداشتہ ہوتے تو معاہدے میں یہ شرط نہ ملتی ہے

"حضرت علی کے اصحاب اور انصار جہاں کہیں بھی رہیں ان کے جان و مال و ناموس و اولاد محفوظ رہیں گے۔"

معاہدے کی یہ شرط امام حسنؑ کی جانب سے اپنے انصار کے مجموعی رویے کی مذمت نہیں کرتی بلکہ اس سے ان کی خوشنودی ظاہر ہوتی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کہنا کہ ان کے انصار ان سے بے وفائی کرنے لگے تھے اور لشکر مجموعی طور سے ان سے باغی ہو گیا تھا محض ایک فریب ہے۔ امامؑ اپنے انصار کی وفاداریوں پر اعتماد رکھتے تھے۔ اپنے لشکر کے اس حلقہ سے مطمئن تھے جو ان کا پیرو تھا۔ البتہ لشکر کا ایک بڑا حصہ ان کا حامی نہیں تھا۔ اس کی وجوہات کیا تھیں یہ ایک طویل پس منظر کے حامل امور ہیں تاہم امام حسنؑ اپنے انصار کی حمایت پر یقین رکھتے تھے اور انہیں انصارانِ علیؑ کی مکمل حمایت حاصل تھی ان کا لشکر ان کا وفادار تھا۔ اس کا ثبوت بھی ہمیں تاریخ سے مل جاتا ہے، خیمہ پر حملہ اور لوٹ مار کا واقعہ ایک وقتی واقعہ تھا۔ اور اس میں مخالف لشکر کی افواہ ساز فیکٹری کے سربراہ عمرو بن عاص کا ذہن خصوصی طور سے کار فرما تھا۔ لشکر پر اپنے اعتماد کا اظہار امام حسنؑ نے کئی بار کیا۔

دست برداری خلافت کے تھوڑے دنوں بعد امام حسنؑ کوفہ سے مدینہ چلے گئے۔ اور مدینہ ہی میں مقیم ہو گئے۔ حاکم نے جبر کی زبانی لکھا ہے "میں نے امام حسن سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں آپ پھر خلافت کے طلب گار ہیں تو ارشاد فرمایا جس وقت عربوں کے سر میرے ہاتھ میں تھے۔ اس زمانہ میں جس سے چاہتا میں ان کو لڑا دیتا اور جس سے چاہتا صلح کرا دیتا۔"

ے صراطِ مستقیم محرقہ

امام کا یہ ارشاد اس وقت کا ہے جب آپ مدینہ میں مقیم تھے، اور جنگ بندی کا معاہدہ ہو چکا ہے۔ اس وقت امام کا یہ یقین تھا کہ وہ جس سے چاہتے اپنے لشکر کو لڑا دیتے۔ اور جس سے چاہتے صلح کرا دیتے، لشکر پہ اعتماد کا مظہر ہے کیونکہ ان کے لشکر سے بیعت ہی جنگ اور صلح کی شرائط پہ لی گئی۔ امامؑ کا ارشاد بتاتا ہے کہ ان کا لشکر ان کے مکمل کنٹرول میں تھا اور جنگ بندی کا معاہدہ انصار کی بیوفائی یا لشکر کی بغاوت کی بناء پہ عمل میں نہیں آیا تھا۔

امام حسنؑ کا لشکر یقیناً کلی طور سے امام کا حامی نہیں تھا۔ وہ لشکر امام کا بنایا ہوا نہیں تھا۔ اس کی بھرتی امام حسنؑ کی صوابدید پہ نہیں ہوتی تھی، امام کو اس قدر مہلت بھی نہیں ملی تھی کہ لشکر کو اپنے اصولوں کی روشنی میں کسی نظم و ضبط کا پابند بنائے، یہ لشکر امام حسنؑ کو ورثہ میں ملا تھا اس میں اہم مناصب پر حضرت علیؑ کے قائم کردہ افراد تھے اور وہ امام حسنؑ کی حمایت پہ کمربستہ رہتے مگر لشکر کی عمومی صورتِ حال بھی حضرت علیؑ کی قائم کردہ نہیں تھی اگر لشکر کے اجزائے ترکیبی انکی ساخت ان کے قیام اور بھرتی کے طریقے دیکھے جائیں تو بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس لشکر میں اہلِ بیتؑ سے محبت کا تناسب بہت کم تھا۔ حضرت علیؑ اپنے مختصر سے دورِ حکومت میں ایک ایک لشکری کی قلبِ ماہیت نہیں کر سکتے تھے تاہم تھوڑی سی مدت میں چالیس ہزار افراد کو اپنی پالیسی کا ہم نوا بنا لینا۔ حضرت علیؑ کی بصیرت کا کمال ہے۔

امام حسنؑ اور امیر معاویہ کے لشکروں کا موازنہ کر کے اس معاملے کو سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ کون سے عوامل تھے جو امام حسن کیلئے دشواریوں کا باعث بنے تھے یا اس سے قبل حضرت علیؑ کے لئے مسائل کا دیباچہ بنے تھے اگر دونوں لشکروں کی ہئیتِ ترکیبی اور پس منظر کو

کو دیکھ لیا جائے تو لشکروں کے مزاج سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ تاہم لشکروں کے مزاج کی دشواریوں کی بنیاد نہیں سمجھنا چاہیئے ــــ اس کے علاوہ معاشی اور سماجی امور بھی دونوں فریقوں کے لئے مثبت یا منفی نتائج کا باعث بنے ہوئے تھے۔

امام حسنؑ کو اپنے لشکر کی سربراہی کا موقع صرف ۶ ماہ اور چند دن ہی ملا۔ کیونکہ یہی ان کی خلافت کی مدت تھی۔ امامؑ جیسے ہی خلافت پر متمکن ہوئے امیر معاویہ جو حضرت علیؑ کی جنگی مہارت کی وجہ سے سرد جنگ، پروپیگنڈے اور علیؑ کی کردار کشی کی مہم میں مصروف تھے ایک بار پھر تلوار کے ذریعہ معاملات کو اپنے حق میں استوار کرنے کے لئے میدانِ جنگ میں آ گئے۔

جنگِ صفین میں جب امیر معاویہ شکست کے کنارے پر پہنچ گئے تھے تو اس وقت عمر بن عاص کی ایک چال سے ان کی شکست ایک مہلت میں تبدیل ہوگئی تھی[۱]

"عمرو بن عاص کو اشتر کے حملے سے اضطراب پیدا ہوا۔ اور اپنے ہمراہیوں کے کشت وخون سے ڈر کر معاویہ سے کہا کیا دیکھتے ہو" تمہارے ہاتھ میدان نہ آئیگا۔ لوگوں کو حکم دو کہ قرآن شریف نیزوں پر اٹھائیں اور بلند آواز سے کہیں کہ تمہارے ہمارے درمیان یہ قرآن شریف ہے۔"

عمر بن عاص نے یہ چال اس وقت چلی تھی کہ جب اسے یقین ہوگیا تھا کہ میدان امیر معاویہ کے ہاتھ سے نکل جائے گا، امیر معاویہ کو اسی میں امان نظر آئی، ورنہ اس سے قبل حضرت علیؑ کی طرف سے فیصلہ کے لئے اس قسم کی پیشکش وہ رد کر چکے تھے[۲]

---

[۱] ابنِ خلدون حصہ اول صفحہ ۵۳ نفیس اکیڈمی کراچی
[۲] امیر معاویہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین ترجمہ عبدالحمید نعمانی صفحہ ۳۸۰ " "

"پس شام کے لوگ اگر واقعی فتنہ اور لڑائی سے بچنا چاہتے تو یہ کام اُن کو لڑائی شروع کرنے سے پہلے کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ حالانکہ بار بار اُن کو قرآن اور احکام قرآن کی یاد دلائی گئی اور انھوں نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا۔ کئی مرتبہ انھوں نے حضرت علیؓ کے سفیروں کو خالی ہاتھ واپس کر دیا نہ صُلح کی نہ صلح جیسی کوئی بات کی۔"

امیر معاویہ نے اپنے لشکر کو قتل ہونے سے بچالیا تھا۔ امیر معاویہ کا مقصد یہ تھا کہ وہ اہلِ شام کو ایک طویل مدت یا تھوڑی سی مدت کیلئے جنگ سے بچالیں[1]

امیر معاویہ کا مقصد جنگ کی بجائے صلح کا راستہ اختیار کرنا نہیں تھا۔ ان کی بعد کی کارروائیوں سے ان کی یہ پالیسی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ہر قیمت پر پورے عالم اسلام کی حکمرانی کے خواب دیکھ رہے تھے انہوں نے جنگِ صفین کے موقع پر میدان جنگ میں تو برتری حاصل نہیں کی مگر وہ اپنی ایک چال سے اپنے لشکر کو محفوظ کرکے لے گئے، لیکن اس سے ان کا مقصد علیؓ سے نبرد آزمائی ترک کرنا نہیں تھا، وہ وہ اپنے لشکر کو نئے سرے سے منظم کرنا چاہتے تھے۔

واقعہ تحکیم کے بعد امیر معاویہ نے اپنے حلقۂ اقتدار میں حضرت علیؓ کو بُرا بھلا کہنے اور ان کی کردار کشی کی ایک طویل اور منظم مہم کا آغاز کیا۔ اُن کے زیر اقتدار علاقے کی ہر مسجد میں پیش امام حضرت علیؓ پر تبرّا ضرور کرتا تھا لوگ اس قدر بے خبر کر دیئے گئے تھے کہ اہلِ شام کے نزدیک حضرت علیؓ کا مسلمان ہونا ہی مشکوک ہو گیا تھا۔

---

[1] امیر معاویہ   ابیس ذکریا الفوبی   مترجم عبدالصمد صارم   صفحہ ۲۴   مکتبہ میری لائبریری لاہور

امیر معاویہؓ نے بصرہ میں علیؓ کے عامل کو تنگ کرنے کی کارروائی کی حضرت عثمانؓ کے خالہ زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو اس مہم پر روانہ کیا۔ اگرچہ اس مہم میں امیر معاویہ کو خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا مگر اس طرح وہ بصرہ میں قبائلی تعصب کو بیدار کرنے میں کامیاب ہو گئے

امیر معاویہؓ نے مصر کی زرخیزی دیکھ کر وہاں بھی حملہ کا پروگرام بنایا اور عمرو بن عاص کو گورنری کا پروانہ دے کر دیا۔ اس جنگ میں عمر بن عاص نے اپنے ہوا خواہوں کو حضرت محمدؓ بن ابی بکر سے توڑ لیا۔ انہیں گرفتار کر لیا گیا، انہوں نے پانی مانگا تو پانی بھی نہیں دیا گیا[۲] انہیں ایک مردار گدھے کی کھال میں بند کر کے زندہ جلا دیا گیا۔

امیر معاویہ نے جنگی مہم جوئی کے علاوہ حضرت علی کے حلقہ اقتدار میں چھوٹے موٹے حملے بھی شروع کر دیئے

[۳] امیر معاویہ نے فوج میں سے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر میدانِ جنگ کے کسی آزمودہ کار افسر کے ماتحت عراق کی حدود میں کچھ یہاں کچھ وہاں بھیج دیئے اور ان کو لوٹ اور غارت کا حکم دے دیا۔ بعض اوقات ان دستوں کو کافی دور تک گھس جانے کا اور ممکنہ حد تک لوٹ مار کرنے کا حکم دیا اس کے بعد یہ فوجی دستے الٹے پاؤں مالِ غنیمت لے کر واپس آ جاتے۔"

اسی کتاب کے صفحہ ۴۴۶ پر عبارت یوں ہے۔

---

[۱] علیؓ طہٰ حسین مترجم عبدالحمید نعمانی	صفحہ ۱۴۴	نفیس اکیڈمی کراچی
[۲] ابن خلدون جلد اول احمد حسین عثمانی	صفحہ ۵۴۷	نفیس اکیڈمی کراچی
[۳] علیؓ طہٰ حسین	؍؍ ۴۴۵	نفیس اکیڈمی کراچی

"ضحاک بن قیس کو معاویہ ایک فوجی دستہ ساتھ کر کے شام سے متصل صحرائے عراق میں بھیجتے ہیں، اسی طرح سفیان بن عوف کو ایک دوسرے طرف روانہ کرتے ہیں اور اس کو حکم دیتے ہیں کہ وہ حدود میں گھستے گھستے مقام انبار تک چلا جائے اور وہاں کے باشندوں کو تاراج کر کے کافی مالِ غنیمت ساتھ لائے۔"

معاویہ نے ضحاک بن قیس سے کہا [۱]

"کوئی صحرانشین علیؑ کو چاہنے والا ملے تو اس پر حملہ کر دو۔"

امیر معاویہ نے اپنے ظالم ترین سپہ سالار سے کہا۔

"تو مدینہ روانہ ہو جا اور وہاں سے لوگوں کو بھگا دے اور جہاں سے تو گزرے ان کو خوف زدہ کر اور جس کے پاس مال ہو۔ اور وہ ہماری اطاعت میں داخل نہ ہوا ہو اس کا مال لوٹ لے۔ اور جب تو مدینہ میں داخل ہو جائے تو لوگوں کو باور کرا کہ تو ان کی جان کا پیاسا ہے۔

واقعہ تحکیم کے بعد امیر معاویہ طلب اقتدار میں اس قدر آگے بڑھ گئے تھے کہ انہوں نے تشدد کا کوئی راستہ نہیں چھوڑا تھا، حضرت علیؑ کی کردارکشی میں انہوں نے احادیث نبوی کو بھی پس پشت ڈال دیا تھا جو حضرت علیؑ کے مناقب میں ہیں۔

امیر معاویہ کے زمانے میں جاری ہونے والی اس رسم کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے منسوخ کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز پر لکھی جانے والی ہر کتاب میں اس امر کا ذکر ہوتا ہے [۲]

---

[۱] انقلاب حسین شیخ محمد مہدی شمس الدین مترجم محسن علی نجفی صفحہ ۵۱ جامعہ اہل بیت اسلام آباد

[۲] عمر بن عبدالعزیز احمد ذکی صفوت مترجم عبدالصمد صارم صفحہ ۲۵ مکتبہ میری لائبریری لاہور

"حضرت عمر بن عبدالعزیز نے منبروں پر بیٹھ کر حضرت علیؑ پر تبرّا کہنا ممنوع قرار دیا۔"

اسی کتاب یعنی عمر بن عبدالعزیز از احمد زکی صفوت کے صفحہ ۵۵ پر امیر معاویہ کی علیؑ کے خلاف انتقامی کارروائی کی مزید تفصیل دی گئی ہے۔ اس ضمن میں تمام تاریخی کتب میں تفصیلات ملتی ہیں جن سے امیر معاویہ کی علیؑ اور اہلِ بیتؑ دشمنی کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ امیر معاویہ نے ایک سرکاری فرمان جاری کیا۔

"دیکھو جب کسی کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ علیؑ اور اُن کے اہلِ بیتؑ سے محبت کرتا ہے تو اس کا نام دفتر سے خارج کر دو، اس کا وظیفہ بند کر دو، اس کا گھر ڈھا دو۔"

امیر معاویہ کی جنگی اور انتقامی کارروائیوں سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ تمام وقت علیؑ کے لشکر کو کمزور کرنا چاہتے تھے اور کسی بڑے حملے سے پہلے چوری چوری حملہ کرنے میں مصروف تھے، حضرت علیؑ سے وہ کسی بڑی لڑائی چھیڑنے کی ہمت نہیں کرتے تھے، مگر انہوں نے اپنی زندگی کا یہ مشن بنا لیا تھا کہ وہ علیؑ کو امن چین سے بیٹھنے نہیں دینگے۔ جب انھیں حضرت علیؑ کی شہادت کی خبر سنی تو انہوں نے سکون کا سانس لیا اور اپنے خواب کو عملی جامہ پہنانے کی ترکیبیں کرنے لگے۔ اس سلسلے میں انہوں نے نئے خلیفہ سے جنگ آزمائی کا ارادہ کیا۔[۱]

"جب لوگوں نے حسن بن علی کے ہاتھ پر بیعت کی تو امیر معاویہ اہل شام کو لے کر کوفہ کی طرف بڑھے۔"

---

[۱] ابنِ خلدون حصّہ اوّل صفحہ ۵۵۶ نفیس اکیڈیمی کراچی

امیر معاویہ حضرت علیؑ سے نبرد آزمائی کا بہانہ حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلے کو قرار دیتے تھے، اور انہوں نے اہلِ شام کو اس نعرے کی آڑ میں استعمال کرنا شروع کر دیا تھا لیکن امام حسنؑ سے ان کی نبرد آزمائی سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ قتلِ عثمانؓ قصاص کا نعرہ ایک سیاسی چال کے سوا کچھ نہیں تھا۔ خود تحکیم کے واقعہ میں قتلِ عثمانؓ کا ذکر کا ذکر تک نہیں ملتا۔ پھر امام حسنؑ سے جنگ کی تک سمجھ میں نہیں آتی تاہم امام حسنؑ سے امیر معاویہ کی جنگ آزمائی سے امیر معاویہ کی حضرت عثمانؓ کے خون سے وفاداری کا پول کھل جاتا ہے، اس موقع پر تو امیر معاویہ نے قاتلانِ عثمانؓ کی جو گئی تو کجا، کسی موقع پر حضرت عثمانؓ کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ وہ پورے عالم اسلام پر اقتدار چاہتے تھے اور امام حسنؑ نے خلافت سنبھالی تھی یہ موقع امیر معاویہ کو مناسب معلوم ہوا۔ اس بار امیر معاویہ پورے عالم اسلام کے بلا شرکتِ غیرے مالک ہو گئے۔ مگر امام حسنؑ سے وہ میدانِ جنگ میں اس بار بھی نہیں جیتے۔
امامِ حسن نے جنگ بندی کا معاہدہ کیوں کیا۔؟ یہ آئندہ صفحات میں واضح ہوگا۔
جنگ بندی کے مقاصد کچھ بھی رہے ہوں، مگر یہ بات طے ہے کہ یہ جنگ بندی میدانِ جنگ میں نبرد آزمائی کا نتیجہ نہیں ہے۔ اس کے اسباب کچھ بھی رہے ہوں، مگر میدان جنگ میں امیر معاویہ کی برتری ہرگز نہیں ہے اگر امیر معاویہ جنگی برتری کے حامل ہوتے تو یہ ان کے مزاج کے خلاف تھا کہ اس فیصلے کو کاغذ پر طے کرتے۔ امیر معاویہ خوب سمجھ رہے کہ امام حسنؑ سے وہ میدانِ جنگ میں نہیں جیت سکتے، اس لئے جیسے ہی معاہدۂ امن کا ذکر ہوا، وہ دست بستہ تیار ہو گئے۔
یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے اس کے بعد معاہدہ کی ایک ایک شق کو پیروں تلے مسل دیا۔

امیر معاویہ کی جنگی طبیعت اور علیؑ دشمنی میں ان کے لشکر نے اہم کردار

ادا کیا تو دوسری طرف امام حسنؑ کو ورثے میں ملنے والا لشکر مجموعی اعتبار سے ان کا وفادار نظر نہیں آتا تو اس کی بڑی اہم وجوہات ہیں۔

یہ بات پہلے بھی بیان کی جا چکی ہے کہ یہ لشکر امام حسنؑ کا قائم کردہ نہیں تھا۔ چھ مہینے کی مدت میں لشکر کے اجزائے ترکیبی میں بنیادی تبدیلیاں لانا ممکن نہیں ہے، لشکر کو اپنے مقاصد سے ہم آہنگ کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ یہ لشکر امام حسنؑ تک حضرت علیؑ کے ذریعے پہنچا تھا۔

امام حسنؑ سے قبل گزرنے والی خلافتوں کے فوجی نظام اور لشکر کی تنظیم کو سمجھنے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام حسنؑ کو اپنے لشکر کو سنبھالنے میں کیا دشواریاں پیش آئیں۔ اور یہ وہی دشواریاں تھیں جن کا سامنا حضرت علیؑ کو کرنا پڑا۔ اگر حضرت علیؑ کے فوجی مسائل کو سمجھ لیا جائے تو سارے امور آسانی سے سمجھے جا سکتے ہیں۔ حضرت امام حسنؑ کو وہی لشکر ملا تھا جس کے بارے میں ایک بار حضرت علیؑ نے فرمایا تھا۔

۵؎ جو شخص تم پر اعتماد کرے گا۔ وقت آنے پر اپنے ترکش کو خالی پائے گا۔ خدا کی قسم مجھے تمہاری کسی بات کا یقین نہیں آتا۔ مجھے تمہاری امداد و نصرت سے قطعاً مایوسی ہے۔"

یہ لشکر حضرت علیؑ کا قائم کردہ نہیں تھا، حضرت علیؑ نے اپنی حکمتِ عملی، اپنی سابقہ جنگی شہرت، تدبیر اور سیاسی بصیرت کے بل بوتے پر اس لشکر کو اپنے پرچم کے نیچے جمع کر لیا تھا۔ اور جنگِ جمل کے موقع پر جو حضرت علیؑ کے احکامات کے تحت پہلی جنگی مہم تھی، اور جنگِ صفین کے موقع پر جو دوسری جنگ تھی، لوگ اس امر کا مشاہدہ کر چکے تھے کہ اس لشکر پر علیؑ کا کنٹرول ہے، پھر بھی ذہن میں رہنا چاہیئے کہ لشکر کا لشکر ایسا نہیں تھا کہ علیؑ اس پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے۔ لشکر کا ایک حصہ ضرور بددلی سے علیؑ کا ساتھ دے رہا تھا مگر ایک جانباز اور وفادار حصہ ایسا

بھی تھا جو مکمل طور سے علیؑ کا وفادار اور ان کے احکامات کا پابند تھا اور دراصل یہی وہ حصہ تھا جس کے تعاون سے علیؑ نے جمل اور صفین میں کامیابی حاصل کی تھی اور یہی وہ صاحبانِ علیؑ اور انصارانِ علیؑ تھے جن کی مدد سے علیؑ نے نہروان کی کامیاب مہم کا مظاہرہ کیا تھا۔ نہروان کی جنگ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ علیؑ کے لشکر میں ایک تعداد ان کے جاں نثاروں کی موجود تھی۔ مگر لشکر کی بڑی تعداد اس وقت تک علیؑ کے ساتھ رہی جب تک کہ دنیا کے مفادات اس کے پیش نظر رہے۔ مگر جیسے ہی لشکر نے دیکھا کہ علیؑ کے ساتھ رہنے میں مالِ غنیمت کے امکانات مفقود ہیں تو اس کی دلچسپیاں ختم ہونے لگیں انہیں جنگ ایک بیکار عمل نظر آنے لگی۔ انہیں امن اور سکون کی یاد ستانے لگی۔ انہیں اپنے بچے اور ان کا مستقبل یاد آنے لگا۔ حالانکہ یہ سب جعلی اور پُرفریب جواز تھے۔ اصل حقیقت بس اس قدر تھی کہ علیؑ کی معیت میں تلوار چلانے سے انہیں مالِ غنیمت، کنیزیں اور دولت ملنے کے امکانات نہیں تھے، مثلاً جنگِ صفین میں اشعث بن قیس نے اپنی قوم خطاب کرتے ہوئے کہا[۱]

"مسلمانو! کل جو کچھ ہوا۔ وہ تمہیں معلوم ہے تم نے دیکھ لیا کہ کس قدر عرب ہلاک ہوئے۔ میں اتنا عمر رسیدہ ہو چکا ہوں مگر میں نے ایسا ہلاکت خیز معرکہ کبھی نہیں دیکھا، جو شخص یہاں حاضر ہے وہ دوسروں کو میری بات پہنچا دے کہ اگر ہمارا موقف کل تک نہ بدلا تو سارا عرب فنا ہو جائے گا۔ اور عزت و ناموس کا جنازہ نکل جائیگا میں یہ بات جنگ سے خوف کھا کر نہیں کہہ رہا ہوں۔ بلکہ میں ایک عمر رسیدہ آدمی ہوں اور اپنے تجربے کی بنیاد پہ یہ اندیشہ محسوس کر رہا ہوں کہ اگر ہم فنا ہو گئے تو کل ہماری بیویاں اور بیٹیوں پر کیا گزرے گی؟

یہ اشعث بن قیس ہے جو حضرت علیؑ کے لشکر میں ایک اہم شخصیت ہے۔ اس کا سابقہ کردار اس کی بدنیتی پر دلیل ہے اس نے ارتداد کا مظاہرہ کیا تھا پھر

---

[۱] علیؑ عباس محمود العقاد ترجمہ منہاج الدین اصلاحی صفحہ ۹۸ ادبستان لاہور

مسلمان ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی بہن امّ فروہ کو اس سے بیاہ بھی دیا تھا۔ یہ شخص پہلے تو حضرت علیؑ کے سامنے آکر امیر معاویہ پر حملہ کرنے کی اجازت طلب کرتا رہا۔ پھر اچانک اسے عرب فنا ہوتے نظر آنے لگے۔ حضرت علیؑ کو تحکیم پر مجبور اسی شخص نے کیا تھا۔ یہی ابوموسیٰ اشعری کو علیؑ کا نمائندہ بنانے پر مصر رہا۔ اور حد یہ ہے کہ جب تحکیم کا واقعہ وقوع پذیر ہو چکا تو یہی اس واقعہ کو مخالفت کا سبب بنا کر آگے آگے ہو گیا حالانکہ علیؑ کا موقف بہت واضح تھا۔ وہ فرماتے تھے[۱]

تم لوگ قرض دار کی طرح حیلوں بہانوں کی آڑ لیتے ہو۔ اپنے گھر کی بربادی کے بعد کس گھر کی حفاظت کروگے اور میرے بعد کس کی قیادت میں لڑوگے۔"

حضرت علیؑ صاف طور سے دیکھ رہے تھے کہ ان کے لشکر کے ایک حصّہ کی بددلی سبب یہی تھا کہ انھیں جنگ کے بعد مالِ غنیمت، کنیزوں اور غلاموں کے ملنے کی امید نہیں رہی تھی۔ وہ لالچی لوگ اس امر کا مشاہدہ بذاتِ خود جنگِ جمل میں کر چکے تھے۔

حضرت علیؑ کے لشکر میں ایک حصّہ ایسے لوگوں کا بھی شامل تھا جو جنگِ جمل میں برسرِ پیکار ہوا تھا اور جب اس کو شکست ہوئی اور اس نے اس واقعہ پر حضرت ام المومنین عائشہؓ کا ملال دیکھا تو وہ ضرورتاً امید بادلِ نخواستہ علیؑ کے لشکر میں شامل ہو گیا۔ مگر مگر اس کے دل میں علی کا احترام اور وقار نہیں تھا، بلکہ محض اپنی معاشی ضرورتیں اور وقتی مصلحتیں تھیں، یہ لوگ علیؑ کے ساتھ دل سے نہیں تھے اور اسی لئے انہیں اپنا خون صرف علیؑ کے حکم پر بہانے میں تردّد تھا۔ وہ دل سے بس یہی چاہتے تھے کہ انہیں علیؑ کی سربراہی میں اور ان کے پرچم کے سائے میں جنگ نہ کرنا پڑے ان کے دلوں میں حضرت علیؑ سے نفرت اور کدورت بھری ہوئی تھی، جنگِ جمل کے بعد ایک ازدی سے پوچھا گیا کہ کیا تم علیؑ سے محبت کرتے ہو تو اس نے جواب دیا[۲]

---

[۱] علیؑ عباس محمود العقاد مترجم منہاج الدین اصلاحی ص۱۰۱ ادبستان لاہور

[۲] مسعودی جلد اول و دوم مترجم کوکب شادانی صفحہ ۳۱۱ نفیس اکیڈمی کراچی

"میں ایسے شخص سے کیسے محبت کر سکتا ہوں جس نے ایک ہی دن کے کچھ حصے میں میرے قبیلے کے ڈھائی ہزار افراد قتل کر دیئے، جس کا انجام یہ ہوا کہ اکثر و بیشتر گھرانوں میں ایک دوسرے پر رونے والا بھی کوئی نہ بچا۔"

جنگِ جمل کی بقایاجات کی خوش قسمتی یا بدقسمتی کہ انہیں اپنے دلوں میں نفرت رکھنے کے باوجود علیؑ کے لشکر میں شمولیت اختیار کرنا پڑی۔ لیکن ایسے افراد جو اپنی معاشی ضرورتوں کے لئے علیؑ کے ہمراہ تلوار چلانے پر مجبور رہتے کسی بھی طرح قابلِ اعتماد نہیں نہیں ہو سکتے۔ یہ لوگ علیؑ کے لشکر میں تھے، علیؑ ان کی بدگمانیوں سے واقف تھے ان کی طبیعتوں کے اغماض سے آگاہ تھے۔ ان پر اپنی بد اعتمادی کا اظہار بھی وقتاً فوقتاً کرتے تھے مگر یہ عنصر خاموشی سے اپنی کج اطواری میں مصروف رہتا تھا اور بے وفائی کا مظاہرہ کرتا رہتا تھا۔ یہ عناصر وقت کے منتظر تھے کہ جب انہیں موقع ملے تو وہ علیؑ سے علیحدگی اختیار کر لیں اور جیسے ہی تحکیم کا موقع ملا تو انہوں نے دوسرے بے عمل عناصر کے ہمراہ علیحدہ ہونے کا جواز تلاش کر کے علیحدہ قوت کا رنگ اختیار کر لیا۔ اور اس سے بالواسطہ طور سے علیؑ کے مخالفِ خاص امیر معاویہ کو فائدہ پہنچا۔

علیؑ کے ساتھ شامل ہونے والے عناصر وقتی مصلحتوں کی بناء پر شامل ہو گئے تھے، لیکن جنگِ جمل تک علیؑ کے حامیوں کی تعداد منافقت سے پاک تھی، اس وقت حضرت علیؑ نے اپنی مرضی سے جنگ لڑی ان کے مقابل ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ، زبیر بن العوامؓ اور طلحہؓ تھے مگر اصحاب کی بڑی تعداد حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ تھی، اس کے بعد مفتوح قبائل اپنے دلوں میں کدورت لئے ہوئے حضرت علیؑ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اسی لئے جب صفین کا معرکہ ہوا تو علیؑ کو اپنی صفوں میں بے وفائی کے مظاہرے نظر آئے، لیکن جب نہروان کا معرکہ ہوا تو علیؑ کو صفوں

میں جمل دالا اتحاد نظر آنے لگا۔ بددل عناصر اب بھی علیؓ کی فوج میں تھے۔ لیکن ان کے اثرات نہ ہونے کے برابر تھے۔ اگرچہ علیؓ کے لشکر کا جاں نثار حصّہ قابلِ ذکر ہے مگر اس میں بیشتر علی کے ہمراہ محض روایت کی بناء پر ہوتے تھے۔ وہ علیؓ کو خصوصی اہمیّت نہیں دیتے تھے۔ ان کے نزدیک علیؓ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کے بعد یکجہتی اور عرب اتحاد کی علامت تھے۔ ان کے نزدیک علیؓ خصوصی استحقاق کے حامل نہیں تھے۔ اگر علیؓ نہ ہوتے اور کوئی دوسرا شخص خلافت پر متمکّن ہو جاتا تو وہ اس کی وفاداری میں بھی اسی سرگرمی کا اظہار کرتے۔ جس سرگرمی کا اظہار وہ علیؓ کے سامنے کر رہے تھے، ان کے نزدیک خلافت علیؓ کا حق نہیں تھی، ایک تاریخی عمل کا حصّہ تھی، ان عناصر کی تعداد بہت کم تھی جو علیؓ کو نیابتِ رسولؐ کا صحیح ترین مستحق سمجھتے تھے اس آخری حلقے میں ریاسرؓ، ملک اشترؒ، حجر بن عدیؒ، وغیرہ کے اسم ہائے گرامی آتے ہیں ایسے واقعات بے شمار ملتے ہیں جن کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر ویہ کے سامنے بھی لوگ حضرت علیؓ سے محبّت کے اظہار میں دلیر تھے۔

قیس بن سعد نے ایک بار امیر معاویہ سے کہا تھا[1]

"رہا جنگِ صفین میں آپ کے دانت کھٹے کر دینے کا معاملہ تو بات یہ ہے کہ ہم اس شخص کے فرماں بردار تھے، جس کی اطاعت کو ہم اللہ کی اطاعت سمجھتے تھے۔"

ایک بار امیر معاویہ نے ابو طفیل کنانی سے دریافت کیا۔

"اپنے دوست ابو الحسن (علیؓ) کا تجھے کتنا صدمہ ہے۔"

ابو طفیل نے جواب دیا۔

"جیسے موسیٰؑ کی ماں کو موسیٰؑ کا صدمہ تھا!"

1 امیر معاویہ انیس ذکریا النفولی مترجم عبدالصمد صارم — میری لائبریری لاہور

ایسے بے شمار لوگ تھے جن کے دلوں میں علیؑ کی محبت راسخ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ امیر معاویہ کے دور میں چالیس ہزار حامیانِ علیؑ کو تہہ تیغ کیا گیا تھا۔ لوگ قتل ہونا گوارا کر لیتے تھے مگر علیؑ کی محبت ترک نہیں کرتے تھے۔

طٰہٰ حسین نے اپنی کتاب علیؑ (ترجمہ نفیس اکیڈمی) کے صفحہ ۵۴۲ پر ایک دلیر مسلمان کا حال لکھا ہے جس کے لئے امیر معاویہ کا حکم تھا کہ اسے بری طرح قتل کر دیا جائے اس کا گناہ صرف یہ تھا کہ اس نے علیؑ کو برا کہنا گوارا نہیں کیا تھا زیاد نے اسے زندہ دفن کر دیا۔

جناب حجر بن عدی کو صرف اسی لئے قتل کر دیا گیا کہ وہ علیؑ کی محبت سے دستبردار نہیں ہو رہے تھے ان کی شہادت پر تو ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بھی لرز گئیں وہ تو اس واقعہ سے اس قدر متاثر ہوئی تھیں کہ امیر معاویہ کے خلاف جنگ چھیڑنے اور میدان میں نکل آنے پر تیار ہو گئی تھیں[1]

یہ مختصر سی باتیں اس تصویر کشی کے لئے ہیں جس کا مقصد یہ واضح کرانا ہے کہ علیؑ اور امام حسنؑ کا لشکر مجموعی طور سے بے وفا نہیں تھا۔ اس میں علیؑ کے حامی اور جاں نثار بھی تھے جو ان کے بعد معاویہ کے دورِ حکمرانی میں ظلم و تشدد کے مقابلے پر اڑے رہے انھوں نے جانیں دے دیں مگر علیؑ کے احترام اور محبت کو زک نہیں پہنچنے دی۔

حضرت علیؑ اور امام حسن کے لشکر کی کیفیت سمجھنے کے لئے اگر ادوارِ خلافت کا مطالعہ کر لیا جائے تو لشکر کا مزاج آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اور اس کی اہلِ بیت سے ہمدردیاں کس قدر تھیں یہ امر بھی واضح ہو سکتا ہے۔ مسعودی

[1] علیؑ طٰہٰ حسین صفحہ ۵۴۳ نفیس اکیڈمی کراچی

نے خلافت راشدہ کی مدّت ایک حدیث کی روشنی میں تیس سال بیان کی ہے اس کے مطابق یہ مدت اس طرح ہے :[۱]

خلافت حضرت ابو بکرؓ	دو سال تین مہینے ۸ دن۔
" عمرؓ	دس سال چھ مہینے چار دن
" عثمانؓ	گیارہ سال گیارہ مہینے تیرہ دن
" علیؑ	چار سال سات مہینے ایک دن
" امام حسنؑ	آٹھ مہینے دس دن

مسعودی نے بھی امام حسن کے دور خلافت کو خلافت راشدہ کا جز سمجھا ہے مگر جیسے پہلے کہا گیا ہے فوجی نظم و ضبط اور اس کے مزاج بنانے میں حضرت امام حسنؑ اور حضرت علیؑ کا دخل بہت کم تھا، اس سے قبل یہ لشکر بنیادی طور سے تقریباً چوبیس سال کی مدت سے قائم تھا، اگر حضرت ابو بکرؓ کے دو سال منہا کر دیئے جائیں تو بھی اس لشکر نے حضرت عمر کے لگ بھگ دس سال، اور اور حضرت عثمان کے تقریباً بارہ سال دیکھے تھے، یعنی کوئی بائیس سال کی مدت میں وہ لشکر ایسی فضا میں پروان چڑھا تھا جہاں اہل بیت کی فضیلت کا کوئی ذکر نہیں ملتا اور بیس سال کی مدت ایک ایسی طویل مدت ہوتی ہے جس میں ایک نئی نسل اپنی ذمہ داریاں سنبھال لیتی ہے اور وہ اسی صورت میں اپنے ماضی کی آئینہ دار ہوتی ہے جب اس کو ماضی سے روشناس رکھا جائے۔ ورنہ اس کے اصول، اس کی اقدار، اس کا سماجی شعور اپنا ہوتا ہے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور کے بائیس سال، ایک ایسی نسل کی ذہنی پرورش کے لئے کافی تھے، جس نے اہل بیتؑ کے بارے میں کچھ نہیں سنا تھا۔ انس

۱۔ مسعودی - مترجم کوکب شادانی صفحہ ۳۶۵ نفیس اکیڈمی کراچی

نسل کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ علیؓ کیسے شجاع اور دلیر تھے۔ وہ نسل یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ علیؓ کی حضورؐ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت ہے۔ اس مسلم معاشرے نے بہت وسعت اختیار کرلی تھی۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلم سلطنت کی حدود بہت وسیع ہوگئی تھیں۔

مگر حضرت عمرؓ نے عملی طور سے اصحاب رسولؐ کو مکہ اور مدینہ میں نظر بند کر رکھا وہ اس معنی میں کہ وہ انھیں باہر بھیجنے پر آمادہ نہیں تھے۔ نو مسلموں کو ان اصحاب کے ذریعہ اسلام کی ابتدائی تاریخ کا علم ہو سکتا تھا۔ اور ان اصحابِ کرام کے وسیلے سے یقیناً نومسلم علیؓ اور دیگر اہلِ بیت کے فضائل اور قربانیوں سے واقف ہو سکتے تھے لیکن یہ موقع علیؓ کو نہیں مل سکا۔ اس کے برخلاف حضرت عمرؓ کے زمانے میں اہل شام کے نومسلم اُن لوگوں سے متعارف تھے جو علیؓ کے خلاف تھے یعنی بنی اُمیّہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اہلِ شام کو یہ علم ہی نہیں تھا کہ بنی امیّہ کے علاوہ بھی کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عزیز ہے۔

حضرت عمرؓ کے عہد حکومت کے والیان کی فہرست جو ابن خلدون نے دی ہے۔ وہ ملاحظہ کیجئے۔

ابو عبیدہ، یزید بن ابی سفیان، معاویہ بن ابی سفیان، عمرو بن العاص، سعد بن ابی وقاص، عتبہ بن غزوان، ابو موسی اشعری، نافع بن عبدالحارث، خالد بن العاص، عثمان بن العاص یعلی بن امیّہ، نعمان، حذیفہ بن الیمان، عیاض بن غنم، عمر بن سعد، خالد بن حرث، سمرہ بن جندب، نعمان بن عدی، علقمہ بن حکم، علقمہ بن مجزز، قدامہ بن مظعون

تاریخ سے ثابت ہے کہ ان میں سے اکثر افراد نے علیؓ کی زبانی یا عملی مخالفت کی امیر معاویہ سے جنگ ہوئی، یعلی نے جنگ جمل میں علیؓ کے مخالف لشکر کو مالی امداد بہم پہنچائی، سعد بن ابی وقاص نے بیعت سے انکار کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے مسلمانوں میں باقاعدہ فوجی تنظیم کا آغاز کیا تھا۔ اس سے قبل

ہر شخص جہاد میں حصہ لینے کا پابند تھا مگر حضرت عمرؓ نے پہلی بار باقاعدہ لڑاکا فوج اور بے ضابطہ فوج کی تخصیص کی۔

"جس قدر آدمی درجِ رجسٹر ہوئے اگرچہ یہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن ان کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔

۱۔ جو ہر وقت مہمات میں مصروف رہتے تھے گویا یہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی۔

۲۔ جو معمولاً اپنے گھر رہتے تھے، لیکن ضرورت کے وقت طلب کئے جا سکتے تھے ان کو عربی میں مطلوعہ کہتے ہیں۔ اور آجکل کی اصطلاح میں اس قسم کی فوج کو والنٹیر کہا جاتا ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ آج کل والنٹیر تنخواہ نہیں پاتے۔"

علامہ شبلی نعمانی نے اس تفصیل کے سلسلے میں حواشی میں اس امر کی تصریح کر دی ہے کہ اہلِ مکہ کو جنگی خدمتوں کا استحقاق نہیں تھا، اس لئے وہ اس تنخواہ کے حقدار نہیں تھے۔

حضرت عمرؓ نے اہم فوجی چھاؤنیاں قائم کی تھیں، ان میں تو دو فوجی چھاؤنیاں آباد ہی حضرت عمرؓ نے کی تھیں، یعنی کوفہ اور بصرہ۔

"حضرت عمرؓ نے اسلامی سلطنت میں چند بڑے بڑے فوجی مرکز بھی قرار دیئے جن کا نام جند رکھا۔ یہ مرکز مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، اردن، حمص اور فلسطین تھے۔"

حضرت عمرؓ کے قائم کردہ جند اور قائم کردہ لشکر کی سربراہی کا اعزاز علیؑ یا حامیانِ علیؑ کو نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس کے برخلاف وہ لوگ اہم مناصب پر تھے جو حضرت علیؑ سے کدورت رکھتے تھے، اس کدورت کے سلسلے میں ابنِ سعد کی جلد پنجم سے ایک واقعہ مثالاً پیش کیا جا سکتا ہے جس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ قبل از اسلام حضرت علیؑ کی تلوار سے مقتول مشرکین کے وارث مسلمان ہونے کے باوجود حضرت علیؑ سے کدورت

رکھتے تھے اور یہ بات اور یہ بات حضرت عمرؓ کے دور میں اپنے عروج پر تھی[1]

"عمر بن خطابؓ نے سعید بن عاص سے کہا کہ میں تمھیں بے رُخی کرتے ہوئے دیکھتا ہوں گویا تمہارا گمان ہے کہ میں نے ہی تمہارے والد کو قتل کیا ہے میں نے اسے قتل نہیں کیا۔ اسے تو علیؑ ابن طالبؑ نے قتل کیا ہے۔"

اس واقعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سعید بن عاص کی بے رُخی اپنے والد کے قتل کی بناء پر تھی، اسے حضرت عمرؓ نے محسوس کیا۔ اور اپنی صفائی پیش کر کے اس دشمنی کا رُخ حضرت علیؑ کی جانب پھیر دیا۔ سعید بن عاص کے مزاج کے لوگ جن کے دلوں میں حضرت علیؑ کے خلاف اپنے مشرک اعزہ کے قتل کی وجہ سے کدورتیں تھیں، حضرت عمرؓ کے عہد میں بہت سے اہم منصبوں پر شامل تھے۔ فوج میں ان کا اثر و نفوذ تھا۔ لطف یہ ہے کہ حاکم وقت اس نفرت کو کم کرنے کی بجائے ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے اپنے دامن کی صفائی پیش کر کے نفرت کے صحیح ہدف کی نشاندہی کر دیتے تھے۔ یوں بھی حضرت عمرؓ حضرت علیؑ کے بارے میں یہ رائے رکھتے تھے کہ عرب علیؑ کی خلافت کو قبول نہیں کریں گے۔

حضرت عمرؓ نے ہی بصرہ اور کوفہ کی چھاؤنیاں قائم کی تھیں، حضرت علیؑ نے کوفہ کو دارالخلافہ قرار دیا۔ تو بعض مورخین نے اندازہ لگایا کہ کوفہ میں علیؑ کے حامیوں کی تعداد زیادہ تھی اس لئے انھوں کوفہ کو مقرر کیا۔ حالانکہ ان کے حامیوں کی تعداد یمن میں تھی، جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے مدینہ چھوڑا تھا تو اس وقت ان کو یہی مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ یمن چلے جائیں، کیونکہ یمن میں حضرت علیؑ کے حامی بہت زیادہ تعداد میں ہیں۔ حضرت علیؑ نے کوفہ کو دارالحکومت کس وجہ سے قرار دیا تھا اس کی وضاحت عباس محمود العقاد نے اپنی تصنیف "علیؑ" (مترجم منہاج الدین اصلاحی) کے صفحہ ۱۶۶ پر اس طرح

---

[1] نقوش رسول نمبر جلد سیزدہم صفحہ ۲۰۵ (حضرت عمرؓ - از عمر ابوالنصر)

حضرت علیؓ نے اسلامی حکومت کے عالمگیر نظریہ کو عملاً اسطرح تقویت پہونچائی کہ دارالخلافہ کو مدینے باہر دوسرے ملک (علاقہ) میں تبدیل کردیا۔ حالانکہ اگر وہ نسل اور وطن کی بنیاد پر سوچتے تو ایسا نہ کرتے کیونکہ وہ خود حجازی تھے، اور ایک قدیم حجازی خاندان کے فرزند، لیکن چونکہ ان کی نظر میں اسلام ایک ہمہ گیر بنیاد پیش کرتا ہے، نسل و وطن کے امتیاز کا مخالف ہے اس لئے انہوں نے بلا تردّد کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔"

شام میں اُموی اثرات کی ابتدا

امیر معاویہ کے لشکر اور امام حسنؑ کے لشکر میں ایک بنیادی فرق سپہ سالاری کی مدت کا تھا۔ اگر حضرت علیؑ کی مدتِ خلافت بھی شامل کر لی جائے تو اہلِ بیتؑ کو مسلم فوج کی سربراہی کا موقع چھ سال سے بھی کم ملا تھا۔ اس سے قبل مسلمان سپاہیوں کو اس امر کا اندازہ بھی نہیں تھا کہ اُن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے افراد جنگ کا کس قدر تجربہ رکھتے ہیں۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان کے بائیس سالہ عہد میں ایک نئی نسل وجود میں آچکی تھی۔ غیر عرب اور نو مسلم فوج میں شامل ہو چکے تھے۔ دوسری طرف امیر معاویہ کو چالیس سال کی مدت ملی تھی، حضرت عثمان کے عہد میں وہ شام کے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ ان کا لشکر اُن کے سوا کسی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عزیز نہیں گردانتا تھا۔ اور وہ حضرت عمر جیسے سخت مزاج خلیفہ کو بھی دیکھ چکا تھا کہ وہ بھی امیر معاویہ کی طاقت اور قوت کے بھی قائل تھے۔

بنی امیہ کا تعلق مکہ سے تھا، انہوں نے کثیر تعداد میں شام میں سکونت اختیار کر لی تھی اور سلسلہ اقتدار کی وجہ سے اُن کے اثرات بہت مضبوط اور مستحکم تھے، تاہم ان کے خاندان کی ایک شاخ کا سربراہ مروان بن حکم تھا حجاز سے غیر متعلق نہیں ہوتی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مقدسہ کے وقت اہلِ مکہ کا شمار حجاز کے بہت مستحکم اور معروف تاجروں میں ہوتا۔ ان تاجروں میں بنی ہاشم، بنی امیہ بہت آگے آگے تھے۔

مکہ کا شہر زمزم اور کعبہ کی وجہ سے ایک مقدس مقام سمجھا جاتا تھا۔ اس کی آبادی سات آٹھ ہزار کے لگ بھگ تھی اور یہ قریش کے تاجروں کا شہر تھا۔[۱]

بنی ہاشم جو مکہ کے بہت معزز قبیلہ کا درجہ رکھتے تھے، تجارت میں بھی اپنا مقام رکھتے تھے۔ ان کی تجارت بھی شام سے تھی، ان کے تجارتی روابط شام سے بہت خوشگوار اور استوار تھے۔ شام سے بنی ہاشم کے تجارتی تعلقات کا ایک واقعہ جناب ابوطالب کے سلسلے سے تاریخ میں محفوظ ہے[۲]

"واقعہ فیل کے آٹھ سال بعد عبدالمطلب وفات پاگئے چونکہ ابوطالبؑ اور رسول اللہؐ کے والد عبداللہ حقیقی بھائی تھے اس لئے عبدالمطلب نے اپنے بعد رسول اللہؐ کی پرورش اور ولایت ابوطالبؑ کے سپرد کی تھی اور حسنِ سلوک کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد ابوطالبؑ قریش کے قافلے کے ساتھ تجارت کے لئے شام جانے لگے۔ جب قافلے کی روانگی کا وقت آیا اور وہ جانے کے لئے بالکل تیار ہو گئے۔ رسول اللہؐ ان سے لپٹ گئے ابوطالبؑ کو ان پر ترس آیا اور انہوں نے کہا خدا کی قسم میں اسے بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

اس واقعے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بنی ہاشم بھی شام سے تجارتی روابط رکھتے تھے۔ بحیرا راہب والا واقعہ جس نے حضورؐ کو پہچانا تھا اسی سفرِ شام میں ہوا تھا۔

۱۔ مولانا مودودی کے تصورات — فیروز الدین منصور — صفحہ ۱۹ — پیپلز پبلشنگ ہاؤس انارکلی لاہور

۲۔ طبری حصہ اول سیرۃ النبیؐ — مترجم سید محمد ابراہیم — " ۵۸ — نفیس اکیڈمی کراچی

شام تک تجارت کے لئے جناب ابو طالبؑ کا جانا اور محض اپنے بھتیجے یعنی حضورؐ کی حفاظت کی خاطر تجارتی سودا کئے بغیر واپس لوٹ آنا بہت معروف اور مشہور واقعات ہیں۔

حضرت ابو طالبؑ کا شام کے تجارتی سفر پر جانا کوئی پہلا واقعہ نہیں تھا۔۔ اہل مکہ کی طرح بنی ہاشم تجارت سے وابستہ رہے تھے۔ بنی ہاشم کی معاشی صورت حال اسی تجارت کی بنا پر بہت اچھی تھی۔ بنی ہاشم مہمان داری اور مسافر نوازی میں بہت مشہور تھے۔ ان کی یہ شہرت ایک زمانہ دراز سے ورثے میں چلی آ رہی تھی۔ جناب ہاشم کا لقب بنی ہاشم اس لئے مشہور ہوا تھا کہ انہوں نے قحط سالی کے موقع پر اپنی قوم کو کھانا فراہم کر کے انہیں بھوک سے نجات دی تھی۔

" ان کی قوم قریش قحط اور افلاس کی سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ یہ فلسطین گئے وہاں سے بہت سا آٹا لیکر مکہ آئے اس کی روٹیاں پکائیں اور بہت سے جانور ذبح کر کے اس کا قورمہ تیار کیا۔ روٹیوں کو اس میں توڑ کر انھوں نے قوم کی دعوت کی۔"[1]

ہاشم کا شمار قریش کے ان مدبر سرداروں میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی قوم کے تجارتی اصول مرتب کئے۔ انہوں نے ہی پہلی مرتبہ قریش کے لئے موسم گرما اور موسم سرما میں تجارتی سفر کرنے کی ابتداء کی۔ اور اس طریقہ کو رائج کیا۔ موسم گرما میں شام کا تجارتی سفر کیا جاتا تھا۔ جناب ہاشم کی وفات شام ہی میں ہوئی جب کہ وہ ایک تجارتی سفر پر گئے ہوئے تھے[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد محترم جناب عبداللہ اپنی شادی کے کچھ عرصہ کے بعد شام تجارت کے لئے تشریف لے گئے تھے اور وہاں سے واپسی میں

---

[1] طبری سیرت النبی حصہ اول مترجم سید محمد ابراہیم صفحہ ۳۵ نفیس اکیڈمی کراچی

[2] محمد رسول اللہؐ شیخ محمد رضا مصری مترجم مولوی محمد عادل قدسی " ۱۸ تاج کمپنی

علالت کے باعث مدینہ میں وفات پا گئے تھے۔

بنی ہاشم کے شام سے تجارتی روابط کا ایک اہم واقعہ خود حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے جب آپ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کا تجارتی مال لے کر شام تشریف لے گئے تھے۔

"ابو اسحٰق سے روایت ہے کہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی نہایت شریف مالدار تاجر بی بی تھیں، دوسرے لوگ ان کے مال کی تجارت کرتے تھے اور وہ منافع میں سے کچھ ان کو دے دیا کرتی تھیں۔ قریش تاجر قوم تھی۔ جب خدیجہؓ کو رسولؐ کی راست گفتاری، امانت اور نیک کرداری کا علم ہوا، انہوں نے آپؐ کو بلا بھیجا اور درخواست کی کہ آپؐ میرا مال تجارت لے کر شام جائیں۔" بنی ہاشم کا یہ ایک اہم اور آخری تجارتی سفر ہے۔ اس کے بعد بنی ہاشم حضور اکرمؐ کے اعلان نبوّت کے بعد اُن کی حفاظت اور پیغام کی اشاعت میں اس قدر مصروف ہو گئے کہ وہ تجارتی امور کی ادائیگی سے قاصر ہو گئے۔ حضور اکرمؐ یا آپؐ کے بعد اہلِ بیتؑ کے کسی فرد نے تجارت کو بحیثیت پیشہ اختیار نہیں کیا۔ اعلان نبوتؐ کے بعد بنی ہاشم کا دیگر ملکوں سے رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ حضورؐ کے بعد تو خلافت اول دوئم سوئم میں اہلِ بیت دیگر علاقوں میں بھی متعارف بھی نہ ہو سکے۔ اسی لئے ایک پاکستانی مؤرخ رشید اختر ندوی نے امیر معاویہ کی معزولی کی پالیسی پہ جس پر حضرت علیؑ شدومد سے مُصر تھے۔ تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے[1]

"اگر حضرت علیؑ ایک بار منتخبہ خلیفہ کی صورت میں شام کے عوام سے متعارف ہو جاتے تو امیر معاویہ اپنی ہر سیاسی سربلندی کے باوجود کسی طرح بھی علیؑ کے مقابلے میں کامیاب نہ ہوتے مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عوام سے اپنا صحیح تعارف نہ ہونے دیا۔ اور امیر معاویہ کی سیاست کامیاب ہو گئی۔"

حضرت علیؑ بہت سے اسباب کی بناء پر اکثر مسلمان علاقوں میں متعارف

---

[1] تہذیب و تمدّنِ اسلامی حصہ دوئم رشید اختر ندوی صفحہ ۲۴ مطبوعات ثقافت اسلامیہ لاہور

کا اظہار بھی کرتے تھے۔ اُدھر علیؑ کو اپنا تعارف کرانے میں صرف پانچ سال کی مدت ملی تھی جبکہ ادھر امیر معاویہ حسن لشکر کی حمایت پر سلطنت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ وہ ان سے بیس سال سے واقف تھا یوں بھی شام سے بنی امیّہ کے روابط کا سلسلہ بہت قدیم عرصہ سے چلا آرہا تھا، اس رابطے کے دو پہلو تھے، ایک تجارتی رشتہ اور دوسرے اہل شام کی عیسائیت۔

بنی امیّہ اور شام کا خصوصی تعلق اس زمانے سے ملتا ہے جب ان کے جد اور بنی ہاشم کے جد ہاشم حیات تھے[1]

"جب ہاشم نے اپنی قوم کی دعوت کی تو اس پر اُمیّہ بن عبد شمس بن عبد مناف کے دل میں ان کی طرف سے حسد پیدا ہوا۔ یہ بھی دولت مند تھا۔ اس نے اگرچہ بڑے اہتمام سے اپنی قوم کی ویسی ہی دعوت کی مگر وہ بات نہ ہوسکی جو ہاشم سے بن آتی قریش کے بعض لوگوں نے اس کا مضحکہ کیا وہ سخت برہم ہوا اور ہاشم کا دشمن ہو گیا اور مطالبہ کیا کہ اس کے متعلق پنچایت سے فیصلہ لیا جائے ہاشم نے کہا میں اس شرط پر اس معاملہ کو پنچایت کے سپرد کیا کہ سیاہ گردن کی پچاس اونٹنیاں مکہ کی تلہٹی میں ذبح کرنا پڑینگی اور دس سال کیلئے مکہ سے ترکِ سکونت کرنا پڑے گی اُمیّہ نے یہ شرط مان لی۔ اب دونوں نے کاہن الخزاعی کو اپنے درمیان حکم بنایا۔ اس نے ہاشم کے حق میں فیصلہ کیا۔ ہاشم نے اُمیّہ سے اونٹنیاں لے کر ان کو ذبح کیا اور حاضرین کی اس سے دعوت کی امیّہ شام چلا گیا اور دس سال وہاں رہا۔"

اُمیّہ کا یہ واقعہ کہ جب اس نے شرط ہار کے شام میں دس سال سکونت اختیار کی۔ ہر معتبر تاریخ میں موجود ہے۔ یہ واقعہ ۵۱۰ء سے پہلے کا ہے کیونکہ اس سن عیسوی میں جناب ہاشم کی وفات ہوتی ہے۔ کاہن خزاعی نے جناب ہاشم

---

[1] طبری حصّہ اوّل سیرت النبیؐ مترجم سید محمد ابراہیم صفحہ ۳۶ نفیس اکیڈمی کراچی

نہیں تھے، لوگ ان کے منصب سے بھی واقف نہیں تھے، یہی وجہ تھی کہ جنگِ جمل میں ایک بڑا لشکر ان کے مقابلہ میں آگیا تھا اور رجز پڑھ پڑھ کر حضرت علیؓ کے سامنے ڈٹا ہوا تھا۔ ان میں سے اکثر کو تو یہ علم تھا کہ اُن کی سربراہی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرما رہی ہیں مگر وہ اس امر سے ضرور بے خبر تھے کہ مقابلے پر جو شخصیت ہے وہ حضورؐ کی ایسی محبوب شخصیت ہے کہ جس سے تصادم خود حضورؐ سے تصادم کے مترادف ہے، اس باب میں کہ اہلِ جمل کی اکثریت علیؓ کے رتبے سے ناواقف تھی کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا مقابلہ پر آنا اس سلسلے میں اہم ثبوت کا درجہ رکھتا ہے خلافت اوّل دوم اور سوئم میں حضرت علیؓ سیاسی منظر نامے اور انتظامی اسٹیج پر کہیں نہیں تھے اس لئے ان کا عام مسلمانوں میں متعارف ہونا ممکن نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ کی مقرر کردہ انتظامی کمیٹی کے ایک ناکام رکن ہونے کی حیثیت سے وہ ایک لمحہ کے لئے ضرور متعارف ہوتے مگر صورتِ حال نے عام حلقوں میں ان کی شخصیت کو مزید کمزور بنا دیا۔ اُن کے مخلصین کی تعداد پہلے کی طرح محدود رہی۔ یہ حضرت علیؓ کا ایک تعجب انگیز اور حیران کن کارنامہ ہے کہ انہوں نے خلفاء ثلاثہ کے عہد میں تقریباً عزلت گزینی کی زندگی گزارنے کے باوجود خلافت پر متمکن ہوتے ہی سارے عالم اسلام کو اپنی مٹھی میں لے لیا۔ انھوں نے اپنی سربراہانہ صلاحیتوں اور جنگی مہارت کا اس خوبی سے اظہار کیا کہ انہیں عالم اسلام آج تک خلافت راشدہ کا ایک رکن تسلیم کرتا ہے حضرت علیؓ کو یقیناً اپنی قائدانہ صلاحیتوں پر بھروسہ تھا اسی لئے انھوں نے امیر معاویہ کے درپردہ حامیوں کے مشوروں پر عمل درآمد نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے مخالفوں کو جنگ جمل میں ان ہی کی زبان میں جواب دیکر ان کی طاقت توڑ دی اور وقت اگر انہیں مہلت دیتا تو وہ امیر معاویہ کی جنگی طاقت کا کس بل بھی نکال دیتے جیسے جنگِ صفین میں انہوں نے تقریباً فتح حاصل کر لی تھی۔

امیر معاویہ کی اصل طاقت ان کے شامی لشکر تھے وہ اکثر اپنے شامی لشکر پر فخر

کو تمام فضائل میں امیہ سے برتر قرار دیا۔ ہاشم امیہ کے چچا تھے انہوں نے ابتداء میں امیہ کا مقابلہ کرنا اپنے لئے مناسب نہ سمجھا۔ مگر جب امیہ نے اپنے چچا کی خاندانی بزرگی کا لحاظ بھی نہ کیا تو انہوں نے مجبوراً اس کے سامنے ایک شرط کے ساتھ فضائل کا مقابلہ گوارا کر لیا اور انہیں اس موقع پر کامیابی بھی ہوئی۔ اس واقعہ سے بنی امیہ کا شام سے جو ربط تھا اس کا پس منظر واضح ہوتا ہے۔ اگرچہ امیہ کی ان کارروائیوں کا زیادہ پتہ نہیں چلتا جو امیہ نے شام میں سرانجام دیں مگر دس سال کی طویل مدت اس نے عزلت نشینی میں نہیں گزاری ہوگی۔ شام میں بنی امیہ نے اپنا ایک وقار ضرور قائم کر لیا شام کے حکمران طبقے اور امراء میں اور امیہ اور امیہ کے بعد اس کی اولاد کو اہمیت حاصل تھی۔ وہ حجاز میں انہیں معتبر دوست سمجھتے تھے اور ان کے ایسے مواقع پر ضرور یاد کرتے تھے جب وہ کسی مخمصہ یا تذبذب میں ہوتے تھے۔

اہل شام کے بنی امیہ پر اعتماد کی ایک مثال ہمیں اس وقت ملتی ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف سلاطین کے نام مکتوبات روانہ کئے اور ایک مکتوب ہرقل کے نام بھیجا۔

> ۱؎ " اس زمانہ ابوسفیان اپنے تجارتی قافلہ کو وہاں لیکر گئے ہوئے تھے اور سارے قافلے کے قائد و سالار تھے۔ چنانچہ ہرقل نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحقیق حال کے لئے انہی کو بلایا۔"

ابوسفیان کی ہرقل کے دربار میں طلبی اور گفتگو کا حوالہ ابن خلدون نے بھی دیا ہے۔ تاہم ابن خلدون بعض واقعات سے سرسری گزرا ہے۔ ان میں ہرقل کے دربار میں ابوسفیان کی طلبی کا واقعہ بھی ہے۔ طبری نے اس واقعے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۱؎ معاویہ شخصیت و کردار جلد اول حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی ص ۹۲ کتب خانہ مجیدیہ ملتان

یہی وہ واقعہ ہے جس موقع پر ابوسفیان نے جھلا کر کہا تھا۔

"ابن ابی کبشہ کا اب بیا ثر ہوگیا ہے کہ فرنگی بادشاہ اس ملک شام میں جو ان کی سلطنت میں ہے جھجکتے ہوئے خوف زدہ ہے"۔[1]

ابن ابی کبشہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کے دادا تھے ان کی کنیت ابوکبشہ تھی وہ بتوں کی پرستش کے معاملے میں قریش کے مخالف تھے۔ اس واقعے کو محمد رضا مصری نے اپنی کتاب محمدؐ رسول اللہ (تاج کمپنی پاکستان) میں بھی تفصیلاً لکھا ہے۔

"حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مجھ سے ابوسفیان بن حرب نے بیان کیا کہ ہم تاجر قوم تھے اور ہمارے اور آنحضرتؐ کے درمیان جنگوں نے کاروبار معطل کر دیا تھا حتیٰ کہ ہمارے سرمائے ختم ہو گئے تھے جب ہمارے اور رسولؐ اللہ کے درمیان جنگ بندی ہوئی تو ہمیں اندیشہ نہ رہا کہ ہمیں اب امن نہ ملے گا۔ اس لئے میں مطمئن ہو کر قریشی تاجروں کی ایک جماعت کو لے کر شام روانہ ہوا۔"

اس موقع پر جب ابوسفیان شام پہونچا تو وہاں کی سیاسی صورت حال کیا تھی۔ بیان کرتے ہوئے فاضل مولف نے مزید لکھا ہے۔

"ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں آنحضرتؐ کی شان کو ہرقل کے سامنے حقیر اور ان کے دعوے کو معمولی بنا کر پیش کرنا شروع کیا۔ اور اس سے کہا کہ اے بادشاہ بھلا آپ کو ان کے معاملے سے کیا سروکار ان کی شان آپکے بلند مرتبے سے کمتر ہے"۔

ہرقل نے ابوسفیان کی خوشامدانہ اور چاپلوسی کی گفتگو پر ذرا بھی توجہ نہیں کی۔ اس نے ابوسفیان کو چپ کراتے ہوئے صرف ان سوالوں کا جواب مانگا جو وہ کر رہا تھا۔ "اس نے ابوسفیان سے حضورؐ کا حسب نسب دریافت کیا۔ ان لوگوں کے بارے میں دریافت کیا جو آپکے پیرو کار تھے ابوسفیان نے اسکے تمام سوالوں کے جواب صحیح صحیح دیتے اس موقع پر اس نے سچ کیوں

---

[1] طبری حصہ اول سیرت النبیؐ مترجم سید محمد ابراہیم صفحہ ۳۴۹ نفیس اکیڈمی کراچی

بولا۔ اسی سلسلہ میں ابوسفیان کی مجبوری اس کی اپنی زبان سے ملاحظہ کیجئے [۱]

"میں اس سے واقف تھا کہ اگر اس وقت جھوٹ بولوں گا تو میرے ساتھی میری تردید تو نہیں کریں گے۔ مگر اس بات کو یاد رکھیں گے اور پھر دنیا بھر میں کہتے پھریں گے اس لئے کوئی بات اس سے میں نے جھوٹ نہیں کی۔"

اہلِ مکہ کے سرخیل ابوسفیان خود بخود ہوگئے تھے اسلام کے بعد جب بنی ہاشم ایک ایک کرکے مدینہ آگئے اور قریشی سردار مسلمانوں سے جنگ کرکے قتل ہوگئے تو مکہ میں صرف ابوسفیان ہی ایک ایسی شخصیت رہ گئے جو لامحالہ سردار بن گئے ابوسفیان کی سرداری حالات کے تحت کسی استحقاق کے بغیر قائم ہوئی تھی اور اب اہم تجارتی قافلوں کی سربراہی بھی ابوسفیان کے حصہ میں آئی تھی اور جب اہلِ قریش کو امن حاصل ہوتا تو وہ فوراً شام ہی کی طرف روانہ ہوتے۔ اس میں بنی امیہ کی ایک قلبی محبت اور دلی تعلق بھی شامل تھا۔ جنگِ بدر کے موقع پر بھی ابوسفیان شام سے ایک تجارتی قافلہ لے کر مکہ لوٹ رہے تھے۔

ابوسفیان بن حرب [۲] شام سے مال و اسباب کا ایک قافلہ لے کر آرہا تھا۔ اس نے اہلِ مکہ کو پیغام بھیجا کہ یہ قافلہ سخت خطرے میں ہے اپنے قافلے کو بچاؤ۔ شام سے آنے والا ہی قافلہ جنگِ بدر کا سبب بن گیا۔ یہ غزوہ ۲ ہجری میں ہوا۔ اس معرکے میں مکہ کے مشاہیر مارے گئے [۳] اس معرکے مسلمانوں کو ایک اہم کامرانی سے ہم کنار کیا۔ اس معرکہ میں قریش مکہ کو اجتماعی طور سے شکست ہوئی مگر اس معرکے کا ایک فائدہ انفرادی طور سے ابوسفیان کو پہنچا۔ مکہ کی سرداری ہاتھ باندھ کر ابوسفیان کے دروازے پر خود بخود پہنچ گئی۔

---

[۱] تاریخ طبری حصہ اول مترجم سید محمد ابراہیم صفحہ ۳۴۷ نفیس اکیڈمی کراچی

[۲] طبری حصہ اول مترجم سید محمد ابراہیم صفحہ ۱۶۰ " " "

[۳] ابن خلدون جلد اول مترجم حکیم احمد حسین عثمانی صفحہ ۸۶ " " "

اسلام قبول کرنے سے پہلے بنی اُمیّہ سارے کے سارے اس دین کے سخت مخالف تھے ان میں صرف عثمانؓ واحد شخص تھے جنھوں نے اسلام کی قبولیت میں پہل کی تھی ان کے اسلام قبول کرنے کا سہرا حضرت ابو بکرؓ کے سر ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ بنی امیہ کے ایک متمول تاجر تھے ان کے ذاتی تجارتی روابط شام سے ہمیشہ قائم رہے۔ حضرت عثمانؓ کا شمار ان مسلمانوں میں ہوتا ہے جن کا اسلام انکے تجارتی مفادات کے لئے نقصان دہ نہیں ہوا تھا، حضرت عثمانؓ کا تجارتی مال بہر حال شام جاتا تھا۔ ان کے تجارتی قافلے بلا خوف وخطر شام سے واپس آتے تھے، ان کی آزادانہ تجارت کے پس منظر میں شام سے قدیم اُموی تعلقات کارفرما تھے اُن کے تجارتی مفادات کو دو طرفہ تحفظ حاصل تھا۔ مسلمان ہونے کے ناطے مسلمانوں سے انہیں کوئی خطرہ نہیں تھا اور اموی ہونے کی وجہ سے اموی غیر مسلم سردار اُن سے متصادم ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ وہ سہولت تھی جو کسی اور کو حتیٰ کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کو بھی حاصل نہیں تھی۔ حضرت عثمانؓ کو جو اموی حمایت حاصل تھی۔ اُسی کو دیکھتے ہوئے بیعت رضوان سے قبل حضرت عمرؓ نے خود جانے سے معذرت کر لی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذی قعدہ ۶ ہجری میں عمرہ کا ارادہ کیا تھا۔ اس مقصد کیلئے حضور نے قربانی کے جانور آگے روانہ کر دیئے تھے اور مدینہ سے احرام باندھ لیا تھا۔ اس کے باوجود (ابن خلدون) اہلِ قریش حضور کے اس ارادے کے آڑے آگئے تھے۔

لے آپ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور اشرافِ مکہ کو میرے آنکی غرض سے مطلع کرو۔ انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے وہاں جانے میں اپنی جان کا خوف ہے۔"

حضرت عمرؓ نے معذرت پیش کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

لے طبری سیرت النبیؐ حصہ اوّل مترجم سید محمد ابراہیم صفحہ ۳۳۳ نفیس اکیڈمی کراچی

میں ایک مشورہ بھی پیش کیا۔ جسے حضورؐ نے قبول فرمالیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا ؎۱ "میں آپ کو ایک شخص بتاتا ہوں جس کی مکّہ میں مجھ سے زیادہ عزّت اور اثر ہے۔ اور وہ عثمانؓ بن عفّان ہیں۔"

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا، اور اُن کے ذریعہ اُموی سردار ابوسفیان کے پاس ہی پیغام بھیجا۔ اموی سردار نے حضرت عثمانؓ کو طواف کی اجازت دیدی جسے حضرت عثمان نے رد کردیا۔

حضرت عثمانؓ کے اموی سردار اور اموی عناصر سے جو تعلقات تھے ان کا علم حضرت عمر کو اچھی طرح تھا۔ ان ہی تعلقات کی وجہ سے حضرت عثمان کی تجارت کسی طور سے متاثر نہیں ہوئی۔ حضرت عثمانؓ کے تجارتی روابط بھی شام ہی سے تھے۔

حضرت عثمان اگرچہ بنی امیہ کے ایک فرد تھے، لیکن ان کی انفرادی شخصیت دیگر اموی سرداروں اور افرادِ قبیلہ سے الگ تھی۔ ان میں اگرچہ اموی مفادات کا لحاظ حد سے زیادہ تھا۔ لیکن وہ انفرادی سطح پر اپنی شخصی زندگی میں امویوں سے بہت مختلف تھے۔

؎۱ "حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اموی خاندان سے تھے جو ایّام جاہلیت میں مال و متاع کے حرص و لالچ کے لئے مشہور تھا ان لوگوں کو دُنیا کی طمع اور دولت کی ہوس نے اتنا بخیل بنا دیا تھا کہ بنو امیہ کا کوئی فرد بھی بجز اشد ضرورت کے کسی چیز پر ایک حبّہ بھی خرچ کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ ان لوگوں کے نزدیک سخاوت و مروّت اور ہمدردیٔ ایثار کے کوئی معنی نہیں تھے۔ البتہ منافرت و عداوت پھیلانے اور دوسروں مجد و شرف سے رشک و حسد کرنے اور قبائلی عصبیتوں کی آگ بھڑکانے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ لیکن اسی اموی خاندان کے ایک فرد حضرت عثمان غنیؓ بھی تھے۔ جب وہ مسلمان ہوتے تو ان کی دریادلی، سخاوت اور خوش خلقی کے چرچے زبان زدِ عام تھے۔

؎۱ عثمان غنی عباس محمود العقاد مترجم رشید اختر ندوی صفحہ ۲۵ نفیس اکیڈیمی کراچی

حضرت عثمانؓ کے والد عفّان کا شمار بھی مکّہ کے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔ ان کا مال تجارت بھی شام کی طرف ہی جاتا تھا۔[۱]

"ان کا سامان تجارت بالعموم شام کی طرف جانے والے بنو امیہ کے کل تجارتی قافلہ کے سامان سے ہمیشہ ہی زیادہ ہوتا تھا۔ اسی نوع کے ایک تجارتی سفر کے دوران حضرت عثمان کے والد عفّان کا انتقال ہوگیا تھا۔ جنھوں نے کثیر دولت چھوڑنے کے ساتھ ساتھ حضرت عثمان کو بھی عنفوانِ شباب میں قدم رکھنے سے پہلے کثیر دولت کا تنہا وارث چھوڑا تھا۔"

حضرت عثمانؓ اپنے والد کے انتقال کے بعد محض دولت پر تکیہ کرکے نہیں بیٹھے بلکہ انھوں نے اپنے تجارتی معاملات کو اپنے ہاتھ میں بہت خوبی سے لے لیا اور تجارتی امور میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ اسی کے نتیجے میں ان کی دولت زوال کا شکار نہ ہوئی۔ بلکہ اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ اور جب ان کا انتقال ہوا تو ان کا شمار ان بڑے سرمایہ دار مسلمانوں میں ہوتا تھا جن کی دولت کے افسانے مشہور ہیں مثلاً جناب زبیرؓ بن العوام اور جناب طلحہؓ، جناب سعد بن ابی وقاص اور جناب عبدالرحمٰن بن عوف۔

[۲] "عبداللہ بن عتبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان کے قتل کے دن آپکے ذاتی خزانہ میں ایک لاکھ پچاس ہزار دینار اور لاکھوں درہم موجود تھے جب کہ وادی قریٰ کے علاوہ حنین کی لڑائی میں اس سے قبل آپ نے ایک لاکھ دینار دیئے تھے آپ کی وفات کے بعد آپ کی ملکیت کا جب حساب لگایا گیا تو مذکورہ بالا نقد درہم و دینار کے علاوہ بھیڑوں بکریوں

---

[۱] عثمان غنی عباس محمود العقاد مترجم رشید اختر ندوی صفحہ ۵۷ نفیس اکیڈمی کراچی

[۲] مسعودی حصّہ دوم مسترجم کوکب شادانی صفحہ ۲۶۸ " " "

اونٹوں کی تعداد بے شمار تھی۔"

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تجارتی تجربہ اور ذہانت کا ثبوت وقتاً وقتاً ملتا رہتا ہے۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی حضرت عثمان کے تجارتی قافلہ شام سے آتے اور شام کی جانب جاتے رہتے تھے ایک بار دارالخلافہ میں قحط کی وجہ سے بے حد پریشانی تھی اس موقع پر حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"شام نہیں ہونے پائے گی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تکلیف دور فرما دیگا چنانچہ تھوڑی دیر بعد ایک شخص دور سے بھاگتا ہوا آیا۔ اور حضرت ابوبکر کے پاس آکر کہنے لگا " خوش خبری ہو حضرت عثمان کے ہزار اونٹ گندم اور دیگر سامان خورد و نوش سے لدے ہوئے شام سے آگئے ہیں"[1]

بنی امیہ کے یہ تجارتی روابط تھے جو ۵۱۰ء سے لے کر حضرت ابوبکرؓ کے عہد تک مستحکم اور مضبوط تھے اہل مکہ شام سے اپنے تجارتی تعلقات تقریباً ختم کر چکے تھے۔ لیکن بنی امیہ کا تعلق قبل از اسلام اہل شام سے استوار تھا۔ تجارتی تعلقات کی اس استواری سے بنی امیہ کو جو فائدہ ہوا اس حقیقت کو خلافت چہارم کے موقع پر امیر معاویہ کی جانب سے خلافت تسلیم نہ کرنے کے استقلال سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

---

[1] عثمان غنی عباس محمود العقاد صفحہ ۶۷ نفیس اکیڈیمی کراچی
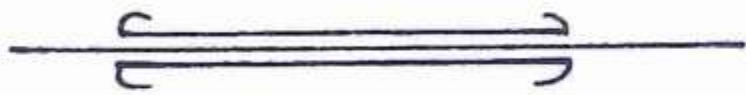
شام میں بنی اُمیّہ کا استحکام

امیر معاویہ کو تاریخ شام میں مضبوطی سے قدم جمانے کے جو مواقع فراہم کئے ان میں شام سے بنی اُمیّہ کے قدیم تجارتی روابط تھے جن کی وجہ سے بنی امیہ شام کے امراء، تجّار اور حکمرانوں کے لئے معتبر اور معروف حیثیت رکھتے تھے۔ اموی تاجروں نے سلسلۂ تجارت کو منقطع نہیں ہونے دیا تھا۔ ابوسفیان کی تجارت اور پھر حضرت عثمانؓ کی تجارت کا سلسلہ اُموی اور شامی تعلقات میں ایک اہم کردار ادا کرتا رہا ہے۔

تجارت کے مضبوط وسیلے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے دور میں ابوسفیان کے بڑے بیٹے اور امیر معاویہ کے بڑے بھائی یزید کو شام کی فوج کشی میں خود کو متعارف کرانے کا موقع حاصل ہوا۔ دونوں نے اس موقع سے کلّی استفادہ کیا۔ غالباً مرکز سے دُور یہ علاقہ انہیں اپنی قسمت آزمانے کے لئے بہت مناسب نظر آیا تھا۔ اور وقت نے اُسے صحیح ثابت کر دکھایا۔

شام پر مسلمانوں کا قبضہ وقت کی اہم ضرورت تھا اور مُسلم حکومت کے دفاع کے لئے

اس علاقہ پر مسلمانوں کا تسلط ناگزیر تھا اس مقصد کیلئے حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن سعید بن عاص کو حیرہ پر دفاع کے لئے مقرر کیا۔ خالد بن سعید بن عاص حضرت عمرؓ کے نزدیک کوئی اچھی حیثیت نہیں رکھتے، دراصل اس کی وجہ خالد بن سعید بن عاص کا حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے وقت معاندانہ رویّہ تھا۔

لہ "خالد علی ابن ابی طالبؓ اور عثمانؓ بن عفان کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ اے عبد مناف حکومت پر غیروں نے قبضہ کر لیا ہے اور تم چین سے بیٹھے ہو۔"

حضرت ابوبکرؓ نے شام کی مہم کے لئے لشکر تیار کیا تو اس کے ایک حصّے کا امیر خالد بن سعید کو مقرّر کیا تو حضرت عمر نے انہیں کئی بار ٹوکا۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک خالد بن سعید کی وفاداری مشکوک کی تھی۔

ٹہ "آخرکار ابوبکرؓ نے خالد بن سعید کو معزول کر کے یزید بن سفیان کو مقرّر کیا۔"

اس سے قبل حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کا مشورہ نہیں مانا تھا اور انہیں تیما میں مقرّر کر دیا تھا جہاں ابتداء میں وہ فتح یاب ہوئے تھے مگر پھر انہیں ہزیمت کا سامنا ہوا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے شام کی جانب جو لشکر روانہ کئے انہوں نے شام^{سے} کے مختلف حصّوں پر علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کی تھیں مگر ان کا سپہ سالار ابوعبیدہ بن الجراح کو مقرّر کیا تھا۔ اردن پہ شرحبیل بن حسنہ، فلسطین پر عمرو بن عاص، دمشق پہ یزید بن ابی سفیان اور حمص کی ذمہ داری ابوعبیدہ بن الجراح پر مجموعی سپہ سالاری کے علاوہ تھی ہمارے

لہ ٹہ طبری خلافت راشدہ حصّہ دوم مترجم سید محمد ابراہیم — نفیس اکیڈمی کراچی

سے تاریخ اسلام حصہ اول شاہ معین الدین ندوی صفحہ ۹۶ غضنفر اکیڈمی کراچی

ایک عصر مصنف نے امیر معاویہ[1] پر اپنی تالیف میں شام کی فوج کشی کا ذکر کرتے ہوئے ابو عبیدہ بن جراح کے ذکر سے اجتناب کیا ہے اور یزید بن ابو سفیان کی سپہ سالاری کے بارے میں گول مول بیان دیا ہے جس سے تسامح پیدا ہوتا ہے

حضرت ابوبکرؓ یزید بن ابو سفیان پر بہت اعتماد کرتے تھے کیونکہ یہ اپنے والد کی طرح بیعت سے سرکشی پر مائل نہیں تھے۔ ابو سفیان تو حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے موقعوں پر سخت چراغ پا تھے

حضرت ابوبکرؓ کو اسلام دشمن طاقتوں اور بیرونی خطرات کا سامنا تھا، اس موقع پر اندرونی خلفشار بڑے مسائل پیدا کر سکتا تھا، مگر ابو سفیان بیعت سے انکار کرتے تھے اور مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں شعر پڑھتے پھرتے تھے[2]

> "اے بنی ہاشم تمھاری موجودگی میں کسی کو (امر خلافت) کا لالچ نہیں کرنا چاہیئے اور خصوصاً بنی تیم اور بنی عدی کو بس خلافت تمھارے لئے ہے اور تم خلافت کے لئے ہو اسکے واسطے سوائے علیؑ کے اور کوئی زیبا نہیں ہے۔"

ابو سفیان نے اس سلسلے میں حضرت علیؑ سے بھی رابطہ کیا۔ مگر حضرت علیؑ نے اپنے ذاتی مفادات کی بجائے اجتماعی مفادات کو ملحوظ رکھا اور ابو سفیان کی سازش کو ناکام بنا دیا۔

حضرت ابوبکرؓ کو ابو سفیانؓ کے بارے میں اطلاعات ملتی رہیں انہوں نے حسب عادت بہت صبر کیا، مگر جب صورتِ حال بہت نازک ہونے لگی تو انہوں نے ابو سفیان کو طلب کیا۔

حضرت ابوبکرؓ کا رویّہ ان تمام افراد کے ساتھ نرم تھا جنھوں نے ان کی

---

[1] امیر معاویہ — محمود احمد ظفر — صفحہ ۱۰۷ — ذوالقرنین زیدی ھما

[2] امیر معاویہ تاریخ کے آئینہ میں — صفحہ ۳۲ — ناشر تنظیم صدیقی لاہور

بیعت نہیں کی تھی۔ مثلاً سعد بن عبادہ، خالد بن سعید بن عاص یا حضرت علیؓ۔ اسی طرح
انہوں نے ابوسفیان کے ساتھ نرم روی کا اظہار کیا۔ اور اسے بلا کر نصیحتیں۔ ابوسفیان
نے نصیحتوں پر کوئی توجہ نہیں کی۔ بلکہ خلیفۂ وقت سے کہا۔[1]

"اے بیٹے کیا تو اپنے آپ کو ابوسفیان سے جو قریش کا بہت بڑا سردار
ہے برتر سمجھ رہا ہے جو اس سے بلند آواز میں گفتگو کر رہا ہے"۔

حضرت ابوبکر ابوسفیان کی دھمکیوں میں نہیں آئے تو پھر ابوسفیان نے دوسری
طرح کام نکالا۔ اُن سے شکایتیں کیں کہ وہ ان کے خاندان سے کوئی اہم کام نہیں لیتے
اس شکوے کو دُور کرنے کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے ان کے بیٹے یزید کو مُہمات میں شامل کرنے کی
طرف توجہ دی۔ اور شام بھیجے جانے والے لشکر کے ایک حصّہ کی سرداری سُپرد کی۔ ابوسفیان
کے دوسرے بیٹے معاویہ بھی اس لشکر میں اپنے بڑے بھائی کی سرکردگی میں شریکِ جنگ ہوئے
پہلی مرتبہ مسلم سلطنت میں ابوسفیان کے خاندان کو جنگی اور سیاسی اہمیت حاصل کرنے کا
موقع ملا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ابوسفیان جیسے قریشی سردار
سے جو مختلف جنگوں میں مسلمانوں کے خلاف اہم کارنامے انجام دے چکا ہو کوئی اہم خدمت
نہیں لی گئی تھی۔ چنانچہ یزید بن ابوسفیان کی بھی کوئی اہمیّت نہیں تھی۔ حضرت ابوبکرؓ غالباً
اپنے مخالفوں کی تالیفِ قلب کے لئے ان سے کام لیتے تھے جیسے انہوں نے خالد بن سعید
بن عاص کے سپرد اہم جنگی خدمت کی تھی۔ اسی طرح یزید بن ابی سفیان سے بھی کام لیا گیا۔

طبری نے صالح بن کیسان کے حوالے سے لکھا ہے[2]

"جب اسلامی فوج روانہ ہوئی تو اس وقت ابوبکرؓ یزید بن ابی سفیان

---

[1] مسعودی مترجم کوکب شادانی حصّہ دوم صفحہ ۲۳۳ نفیس اکیڈیمی کراچی

[2] طبری خلافت راشدہ حصّہ دوم مترجم محمد ابراہیم " ۴۴۹ نفیس اکیڈیمی کراچی

کو نصیحتیں کرتے ہوئے مدینے سے باہر تک آئے تھے یزید گھوڑے پر
سوار تھے۔ اور آپ پیدل چل رہے تھے۔"

حضرت ابوبکرؓ کی جانب سے یزید بن ابوسفیان کو اس مہم میں ایک منصب
دینا دراصل بنی امیہ کی اس طاقت کو خریدنا تھا جس کے بل بوتے پر ابوسفیان
مخالفت پر آمادہ تھا۔ اور جس کی وجہ سے وہ بنی ہاشم کو خلافت کے حصول
کے لئے طاقت کے استعمال پر راغب کرنے کی کوشش کر رہا تھا
حضرت ابوبکرؓ اس ضمن میں کامیاب ہو گئے کیونکہ اس کے بعد ابوسفیان کی جانب
سے کسی سرکشی کی اطلاع نہیں ملتی۔

یزید بن ابوسفیان کے انتقال کے بعد دمشق کی ولایت امیر معاویہ کے حصہ میں
آئی۔ حضرت عمرؓ کا اصول تھا کہ وہ کسی عامل کی جگہ اس کے کسی عزیز کو مقرر نہیں کرتے تھے۔
لیکن حضرت عمر نے اپنے اس اصول سے انحراف کیا ہے۔

امیر معاویہ نے تینتیس سال کی عمر میں دمشق کی ولایت سنبھالی انہوں نے مرکز
سے دوری اور حضرت عمرؓ کی نگاہ سے خود کو محفوظ سمجھتے ہوئے تزک و احتشام اور شاہانہ
ٹھاٹ باٹ اختیار کر لئے تھے۔ محل پر دربان ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ جب بیت المقدس سے واپس ہوئے تو دمشق بھی گئے جہاں حضرت عمرؓ
کا استقبال امیر معاویہ نے شاہانہ طور طریقہ سے کیا۔

ؔ "حضرت فاروق عبدالرحمٰن بن عوف کی معیت میں جب شام آئے تو امیر معاویہ
ان کی پیش قدمی کو موجود تھے، خدام کے ساتھ جسم پر اچھا اور عمدہ لباس تھا۔ فاروقؓ نے
ملت کے اس کسریٰ کو دیکھا تو پیشانی پر بل پڑ گئے۔"

ؔ تمدن اسلامی حصہ دوم صفحہ ۲۰ رشید اختر ندوی ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ لاہور

حضرت عمرؓ اپنے عمال کو سادہ مزاج اور سادہ سادہ طرزِ زندگی میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک بار سعد بن ابی وقاصؓ کی ڈیوڑھی گرادی تھی۔ سعد بن ابی وقاص نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کیا تھا اور اس کی ایک ڈیوڑھی بنائی تھی۔ حضرت عمرؓ نے جناب مسلمہ کو بھیج کر اس کی ڈیوڑھی کو آگ لگوادی تھی۔

عیاض بن غنم صحابئ رسولؐ کو باریک کپڑے پہننے اور دروازے پر دربان رکھنے کے جرم میں حضرت عمرؓ نے بکریاں چرانے کی سزا دی تھی۔

صحابئ رسولؐ ابی بن کعب کو حضرت عمرؓ نے اس لئے کوڑا مارا تھا کہ وہ جب ایک مجلس سے اٹھے تو لوگ تعظیماً ان کے ساتھ چل پڑے تھے۔

حضرت عمرؓ اپنے گورنروں کو فرمانِ تقرری کے ساتھ سادہ رہن سہن کے احکامات بھی دیتے تھے اور اس ضمن میں جلیل القدر صحابیوں سے بھی باز پرس کرتے تھے، مگر امیر معاویہ کے ساتھ حضرت عمر کا یہ سلوک محل نظر ہے، اس موقع پر امیر معاویہ نے حضرت عمرؓ کی ناراضگی دور کرنے کے لئے ایک جواز بھی پیش کیا تھا۔ ان کے مطابق وہ شان و شوکت میں اس لئے حق بجانب تھے کہ انہیں غیر اسلامی سفارتوں اور غیر مسلموں سے واسطہ پڑتا تھا۔ حالانکہ اس اصول کے تحت تو مرکز کو زیادہ شان و شوکت رہنا چاہیئے تھا، مگر حضرت عمرؓ کی سادگی تو تاریخ اسلام میں ضرب الامثل رہی ہے۔ امیر معاویہ نے شان و شوکت کو اسلام سمجھ رکھا تھا جبکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک سادگی اسلام کی روح تھی۔

حضرت عمرؓ نے اس وقت امیر معاویہ کو ڈھیل کس لئے دی اس کا علم تو کسی کو نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عمر نے انہیں معزول کرنے کا ارادہ کر لیا ہو جیسا کہ انکی

سعد بن ابی وقاصؓ، عیاض بن غنم اور ابی بن کعب کے واقعات محمود احمد ظفر کی تالیف امیر معاویہ سے

سخت مزاج طبیعت کا خاصا نھا۔ تاہم اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے رویے سے شام میں امیر معاویہ کے اقتدار میں اور اثرات میں مزید اضافہ ہو گیا۔

حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد امیر معاویہ کے اقتدار میں اس وقت زیادہ استحکام آ گیا، جب تخت خلافت پر اموی خلیفہ حضرت عثمان متمکن ہوئے۔ حضرت عثمانؓ طبیعتاً نرم دل اور رحمدل شخص تھے۔ عزیز و اقارب کا لحاظ اور ان کے ساتھ سلوک کرنا وہ بہت اچھا سمجھتے تھے۔

۵؎ حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں ایک روز زیاد بیت المال کا کچھ اثاثہ لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ اسی وقت وہاں حضرت عثمانؓ کے بیٹے بھی آ گئے اور انہوں نے چاندی کے کچھ ٹکڑے ہاتھ میں اٹھا لئے اور چل دیئے۔ یہ دیکھ کر زیاد رونے لگے۔ حضرت عثمان نے ان سے رونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن اسی انداز میں حضرت عمرؓ کے پاس بھی بیت المال کے لئے کچھ اثاثہ لیکر آیا تھا جس انداز سے آپکے پاس لیکر آتا ہوں ان کا بیٹا بھی اتفاقاً وہاں موجود تھا اور اس نے بھی ایک درہم اٹھالیا تھا جس پر حضرت عمرؓ نے اس کے ہاتھ سے درہم چھین لینے کا حکم دیا تھا۔ اور اس وقت بھی یہ غلام رو پڑا تھا ایک آپ کا بیٹا ہے اُس نے جو کچھ لے لیا اُس کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں یہ سن کر حضرت عثمان بولے۔ امیر المومنین (حضرت عمرؓ) خود کو بھی غلط کام سے روکتے تھے اور دوسروں کو بھی خدا کی رضا کے لئے غلط کام سے روکتے تھے، جبکہ میں خود بھی اپنے اہل و عیال کو خدا کی رضا کے لئے

۵؎۔ حضرت عثمان عباس محمود العقاد صفحہ ۶۱ مترجم عبدالرشید ندوی نفیس اکیڈمی کراچی

دیتا ہوں۔ اور اپنے عزیز و اقارب کو بھی خدا کی رضا کے لئے دیتا ہوں۔"

حضرت عثمانؓ کا یہ واقعہ ان کی نرم مزاجی اور عزیز و اقارب کیلئے وسعتِ قلب کا مظہر ہے۔ اس کا مظاہرہ انہوں نے امیر معاویہ کے ساتھ بھی کیا۔

حضرت عثمان کو اموی سردار ابو سفیان نے مشورہ بھی یہی دیا تھا کہ خلافت کی گیند کو بنی امیہ کے ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے۔ اس طرح حضرت عثمانؓ کے دور میں امیر معاویہ کے اقتدار میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان کی تنخواہ ایک ہزار دینار مقرر کی گئی تھی جو دوسرے گورنروں سے پہلے ہی زیادہ تھی۔ اب انہوں نے موقوفہ اراضیات کو اپنی جاگیر بنانا شروع کیا۔ ایسی زمینوں کو اپنے اہلِ خاندان میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ جس سے شام میں ان کے خاندان کے اثرات میں اضافہ ہوا۔ ان کی حدودِ سلطنت دمشق سے نکل کر دور تک پھیل گئیں۔ وہ شام، حمص، فلسطین، اردن اور اسرائیل کے علاقوں کے بلا شرکتِ غیرے مالک ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کی اراضی کی پالیسی ترک کی گئی تو امیر معاویہ نے شام میں ایسے جاگیردار طبقہ کی داغ بیل ڈال دی جو اپنے مفادات کے لئے امیرِ شام کا مرہونِ منت تھا۔ اور لوگ اس جاگیردارانہ نظام کی وجہ سے کلّی طور سے جاگیرداروں کے معاشی شکنجے میں پھنسے ہوئے تھے۔ امیر معاویہ بالواسطہ طور سے عام لوگوں سے وہ کام لیتے تھے جو عوامی ضمیر کے برخلاف بھی ہوتے تھے۔ صحابیٔ رسولؐ حضرت ابوذر غفاری نے شام میں ہونے والے اس غیر اسلامی معاشی نظام پر سخت احتجاج کیا تھا مگر وہاں کے لوگ اس نئے نظام کے اس قدر مفتون تھے کہ انہوں نے جناب ابوذر غفاریؓ کی صحابیت کا لحاظ بھی نہیں کیا۔

امیر معاویہ نے شام میں اس طرح اپنا اثر و رسوخ بڑھایا کہ حضرت عثمانؓ کے عہد تک پہنچتے پہنچتے امیر معاویہ اور شام لازم و ملزوم بن گئے تھے۔ امیر معاویہ حضرت عثمانؓ کے سارے گورنروں میں سب سے زیادہ با اثر تھے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اپنے

علاقہ میں ان کا کنٹرول جس قدر مستحکم ہے اس قدر کنٹرول کسی دوسرے گورنر کا اس کے اپنے علاقہ میں نہیں ہے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دوران جب انقلابی عناصر نے عوام کو متاثر کرنا شروع کیا، اور سرکاری اہل کاروں کے خلاف ایک عام نفرت پھیلنے لگی تو حضرت عثمان نے اپنے گورنروں کو مدینہ میں طلب کیا۔ اور اس موقع پر امیر معاویہ کا بیان اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ شام میں اپنی مضبوط اور مستحکم اقتدار کا عرفان رکھتے تھے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو رائے دینے کی بجائے اپنا جلد از جلد شام پہنچنا زیادہ بہتر سمجھا۔ انہوں نے کہا۔

"میرا مشورہ ہے کہ آپ اپنے گورنروں کو واپس ان کے صوبوں میں بھیج دیں۔ اور ہر ایک گورنر سے کہیں کہ وہ اپنے صوبے میں امن کے قیام کی پوری ذمے داری لے۔ اور وہ لے بھی سکتا ہے کیونکہ ہر صوبہ میں شورش پسند قلیل تعداد میں ہیں، اور میں اپنے صوبہ شام کی ذمے داری لیتا ہوں۔"

امیر معاویہ نے خلیفۂ وقت کی طلب کردہ میٹنگ میں انقلابیوں سے نمٹنے کا جو مشورہ دیا تھا، اس میں انہوں نے خلیفہ اور دیگر گورنروں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ شام میں ہر طرح مستحکم ہیں۔

امیر معاویہ کو شام میں اپنی مضبوط حیثیت کا علم تھا۔ وہ اپنے اس استحکام کو کسی بیرونی اثر سے مجروح بھی نہیں ہونے دیتے تھے۔ اسی خطرے سے نمٹنے کیلئے انہوں نے صحابئ رسولؐ حضرت ابوذر غفاریؓ کو شام میں زیادہ دیر تک قیام کرنے کا موقع نہیں دیا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت عثمان کے درمیان ایک بار جمع کردہ مال

کے شرعی تصرف کے مسئلہ پر اختلاف ہو گیا۔ تو حضرت عثمانؓ نے انہیں شام بھیج دیا تھا۔

۵ ایک روز حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت عثمان کی مجلس میں موجود تھے جس میں آپ (عثمانؓ) یہ فرما رہے تھے "آپ لوگوں کا اس بارے میں کیا خیال ہے کہ کسی کے جمع کردہ مال میں کسی دوسرے کا حق ہو گا یا نہیں۔"

اس کے جواب میں کعب بولے نہیں امیر المومنین اس میں کسی دوسرے کا حق نہیں ہو گا، یعنی وہ شخص اسے جس طرح چاہے خرچ کرے

اس موقع پر بات زیادہ بڑھی۔ حضرت عثمان نے ایک اور سوال کیا۔ "اس بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ اگر ہم مسلمانوں کے بیت المال میں سے کچھ مال لیکر اسے خود استعمال کرلیں یا چاہیں تو تمہیں دے دیں۔

اس سوال کے جواب میں بھی سب سے پہلے کعب بولے "یا امیر المومنین اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ یہ سننا تھا کہ ابوذر کعب کے سینے میں اپنا ڈنڈا چبھو کر بولے "او یہودی کے بیٹے تجھے ہماری دینی معاملات میں دخل دینے کی جرارت کیوں کر ہوئی۔ حضرت ابوذرؓ کی زبان سے یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔

"تو میرے لئے آج تک ہمیشہ تکلیف دہ رہا ہے، تو میرے سامنے سے دور ہو کر کہیں چلا جا۔"

اس کے بعد حضرت ابوذر غفاریؓ کو شام جلاوطن کر دیا گیا۔ شام میں امیر معاویہ کے طور طریق دیکھ کر جناب ابوذر غفاریؓ نے مذمت کی۔ انہوں نے وہاں جاگیردارانہ استحصالی نظام کو ناقابلِ برداشت حد تک مضر سمجھا۔ شام میں شدید نوع کی اقتصادی ناہمواری سے حضرت ابوذرؓ کے جذبۂ اسلامی کو دھچکا پہنچا۔

---

۵ مسعودی جلد دوم صفحہ ۲۷۶ نفیس اکیڈمی

امیر معاویہ نے اُن ہی دنوں ایک محل بنوایا تھا، اس نے رعب ڈالنے کے لئے ابوذر غفاریؓ سے پوچھا۔

"آپ کی اس محل کے بارے میں کیا رائے ہے؟"

حضرت اَبُوذر غفاریؓ نے جواب دیا۔

"اگر یہ محل خدا کے مال سے بنایا گیا ہے تو خیانت ہے اور اگر اپنے مال سے بنایا گیا ہے تو اسراف ہے۔"

امیر معاویہ نے حضرت اَبُوذر غفاریؓ کے سرمایہ دشمن نظریہ کو پرکھنے کے لئے ایک شام ایک ہزار دینار بھیجے۔ حضرت ابُوذر غفاری نے وہ رقم مستحق لوگوں میں تقسیم کر دی دوسری صبح امیر معاویہ نے اسی آدمی کو بھیجا۔ اس شخص نے ابوذرؓ سے کہا کہ وہ غلطی سے دینار انہیں دے گیا ہے۔ حضرت ابُوذرؓ نے اسے بتایا کہ وہ تو سب تقسیم کر چکے۔ اگر تین دن کی مہلت ملے گی تو رقم فراہم کر دی جائے گی۔

امیر معاویہ نے یہ دیکھ کر حضرت ابوذر غفاریؓ کے صحابی ہونے کے ناطے لوگ ان کی باتیں سُن کر امیر معاویہ اور اُن کے حواریوں کے طرزِ حیات کا تجزیہ کرنے لگے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ وہ ابوذر کو واپس بُلالیں۔ مسعودی کے مطابق حضرت ابوذر غفاریؓ کو ایک ایسے اونٹ پر بھیجا گیا جس پر سخت ترین پالان تھا۔

امیر معاویہ نے شام میں اپنے اثرات اور اپنے مفادات کو کبھی مجروح نہیں ہونے دیا۔ اگر کبھی ایسی صورتحال پیدا ہوئی کہ مدینہ منورہ یا مکّہ معظمہ سے ایسے افراد وہاں پہنچے جو ان کے اقتدار کیلئے خطرہ بن سکتے تھے تو انہوں نے ان خطرات کو مدینہ منورہ کی طرف بھیج دیا۔ وہ مرکز کے لئے سہولتیں فراہم کرنے کی بجائے اپنے صوبے میں اپنی سہولتیں اور اپنے مفادات کا زیادہ تحفظ کرتے تھے۔

حضرت عثمان نے جناب اَبُوذر غفاریؓ کو شام اس لئے بھیجا تھا کہ وہ مرکز

کو مخالف عناصر سے پاک رکھنا چاہتے تھے ۔ امیر معاویہ نے اس سلسلے میں مرکز کی مدد کرنے کی بجائے حضرت ابوذر غفاریؓ کو دوبارہ مرکز بھیج کر اپنے حلقہ اقتدار کو بیرونی اثرات سے بچانے کے ساتھ ساتھ حضرت عثمانؓ کے لئے بھی ایک پیچیدہ صورتحال پیدا کردی ۔ اس پیچیدہ صورتحال سے نمٹنے کے لئے ابوذر غفاریؓ کو ربذہ جیسے ویران مقام کی طرف جلا وطن کیا گیا جہاں انھوں نے غربت میں وفات پائی ۔

امیر معاویہ نے ابتدائی ایام حضرت عمر کی مکمل فرمانبرداری میں بسر کئے ۔ لیکن انہوں نے اس امر کو جانتے ہوئے کہ حضرت عمرؓ اپنے گورنروں کے تزک و حشم کو ناپسند کرتے ہیں اور قیصر و کسریٰ کے طرز حکومت کے سخت خلاف ہیں انہوں نے معلوم نہیں کس بھروسہ پر شان و شوکت کو اپنایا اور اس کے اظہار میں وہ حضرت عمرؓ کے سامنے بھی نہیں چوکے یہ سب ان کا وہ اعتماد تھا جو انہیں اپنے شامی رفیقوں پر تھا ۔ شامی رفقاء کے اس اعتماد مزید اضافہ اس وقت ہوا ۔ جب ان کے خاندان کے ایک فرد حضرت عثمانؓ خلیفہ بنے ۔

حضرت عمر کی فرمانبرداری میں امیر معاویہ کی سیاسی بصیرت تھی اس وقت وہ اُن کی ہاں میں ہاں ملائے بغیر شام میں قدم نہیں جما سکتے تھے ۔ پھر بھی وہ بعض اوقات امور خودسری کا اظہار کر دیتے تھے ۔ تاہم وہ ظاہرہ طور سے خلیفہ دوئم کو مطمئن اور خوش رکھنے کی پالیسی پر گامزن تھے ۔

حضرت عثمانؓ کا دور آیا تو انہیں خلیفہ کو خوش رکھنے کی ضرورت پیش نہ آئی بلکہ مراعات اور خواہشات منوانے کا موقع ملا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں آپکی حکمت عملی دراصل انکے والد ابوسفیان اور والدہ ہندہ کے مشوروں کے عین مطابق تھی رشید اختر ندویؒ نے عقد الفرید کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کی ماں نے کہا ۔

لہ تہذیب تمدنِ اسلامی حصہ دوئم رشید اختر ندوی صفحہ ۳۵ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

"بیٹے اس شخص (حضرت عمرؓ) نے تمہیں ایک کام سونپا ہے تم پر ہر بات میں اس کی اطاعت لازم ہے خواہ اس کا حکم تمہاری مرضی کے خلاف ہو یا موافق"۔

اُن کے والد ابوسفیان نے کہا۔

"مہاجرین نے تم سے ایک خدمت لی ہے اس لئے کسی بات میں انکی مخالفت نہ کرو۔ ان کی اطاعت میں ہی فلاح ہے۔"

ابوسفیان اور ان کی بیگم ہندہ کا مشورہ ہر طرح صائب تھا۔ ان دونوں نے زمانہ کے سرد و گرم دیکھے تھے۔ وہ حالات کا رُخ دیکھ کر اندازہ کر چکے تھے کہ اقتدار کا رُخ کس طرف ہے۔ وہ حضرت عمر کے خلاف کسی کارروائی کو کامیاب ہونے کے سلسلے میں پُرامید نہیں تھے۔ امیر معاویہ نے اپنے والدین کا مشورہ قبول کر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔ شان و شوکت کا بھی دلچسپ جواز پیش کر کے معذرت کر لی۔ اس طرح انہوں نے شام کو اپنا ایک ایسا ہمنوا بنا لیا کہ جس کی حمایت پر وہ ہمیشہ اعتماد کر سکتے تھے۔

امیر شام نے اہلِ شام کو عملی طور سے اور ذہنی طور سے جاگیردارانہ نظام میں جکڑ لیا تھا۔ اہلِ شام ایک مدت تک یعنی تیرہ ہجری سے پینتیس ہجری تک امیر معاویہ کو حاکم دیکھتے رہے تھے، ایک نسل ان کے دورِ اقتدار میں جوان ہو چکی تھی اور وہ بھی سرحدوں کی حفاظت میں مصروف رہتی تھی۔ اس بیچاری نسل کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کسی عزیز کا علم نہیں تھا۔ وہ امیر معاویہ اور اُن کے اہلِ خاندان ہی کو حضور کے اقارب میں شمار کرتے تھے ان کی وفاداریاں بھی امیر معاویہ کی وفاداریوں سے مشروط تھیں، امیر معاویہ نے جو کہہ دیا وہ ان کے لئے حرفِ آخر تھا۔ اسی لئے جب امیر معاویہ نے حضرت علیؓ کی مخالفت کی تو اہلِ شام کی وفاداری کے جذبہ سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے امیر معاویہ نے شامیوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ امیر معاویہ تنہا

حکومت کرنے کا خواب یقیناً دیکھ رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں انہوں نے اس خواب کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کیونکہ انھیں معزولی کا خدشہ نہیں تھا۔ دوسرے وہ اپنے علاقے میں تقریباً خود مختار تھے مگر جب حضرت علیؑ نے انہیں اُن کے منصب سے ہٹانے کا مستحکم ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے اپنے ارادے کو عملی شکل دینے کے لئے اقدامات کا آغاز کر دیا۔ اور بالاخر وہ اتفاق در اتفاق کے ذریعے اس میں کامیاب ہو گئے۔

امیر معاویہ نے جو لشکر جمع کیا تھا وہ خود اس کے اسلام، ایمان یا عقیدہ کی پختگی کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ اس لشکر کا اُجڈپن اور جہالت ہی ان کے نزدیک لشکر کا امتیازی پہلو تھا۔

مسعودی کے مطابق صفین کے معرکہ کے بعد ایک کُوفی کی اونٹنی پر کسی شامی نے اپنی ملکیت ظاہر کی امیر معاویہ کے سامنے اس شامی نے پچاس گواہ بھی پیش کر دئیے امیر معاویہ نے کوفی کو حکم دیا کہ وہ اونٹنی اس شامی کے حوالے کر دے۔

اس کے اصل مالک کوفی نے کہا۔

"جناب یہ شامی جسے اونٹنی کہہ رہا ہے یہ اونٹنی نہیں ہے بلکہ اونٹ ہے۔

امیر معاویہ نے وہ اونٹ شامی کے سپرد کر دیا۔ اور اُس کوفی کے ذریعے حضرت علیؑ کو پیغام بھجوایا۔

"میں ایک لاکھ ایسے آدمیوں کے ساتھ تمھارا مقابلہ کروں گا جو صرف میرے جھنڈے تلے لڑنا جانتے ہیں وہ اونٹ اور اونٹنی کی تفریق کرنا بھی نہیں جانتے۔"

امیر معاویہ کا یہ لشکر تھا اور امیر معاویہ اس لشکر کے اُجڈپن پر نازاں تھے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میرا لشکر دین دار ہے، تفسیر قرآن کا واقف ہے، حافظ قرآن

ہے۔ اگر انھوں نے اپنے لشکر کے لئے کوئی امتیازی وصف سمجھا تو بس یہ کہ وہ ان کا وفادار ہے اور بعید جاہل ہے۔

امیر معاویہ کا اپنے لشکر کی وفاداری اور اس کے ازحد جاہل ہونے سے مطلب شاید یہ جتلانا تھا کہ وہ علیؑ کے مقابلہ میں جس طاقت سے آئیں گے علیؑ اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ حالانکہ واقعات سے ثابت ہے کہ لشکرِ شام کی امیر معاویہ سے شخصی وفاداریاں اور اُجڈپن، دلیری اور بہادری کا مظہر نہیں تھا۔ صفین میں امیر معاویہ شکست اٹھا چکے تھے وہ تو ایک چال ان کو موقع دے گئی، ورنہ فتح علیؑ سے چند لمحوں کے فاصلے پر تھی۔ ظاہر ہے اُجڈپن سے جنگیں نہیں جیتی جاتیں۔ اور نہ ہی شخصی وفاداریوں سے اُصولی وفاداریوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

امیر معاویہ کا یہ کہنا قطعاً درست تھا کہ ان کا لشکر ان کی وفاداریوں میں چوں چرا نہیں کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ جنگِ صفین کے موقع پر امیر معاویہ نے جمعہ کی نماز بدھ کو پڑھا دی تھی۔ اور لشکر نے پڑھ ڈالی تھی[1]

اس واقعے کو عباس محمود العقاد نے مسعودی کے حوالے سے لکھا ہے۔

---

[1] علیؑ، شخصیت اور کردار، عباس محمود العقاد مترجم منہاج الدین اصلاحی صفحہ ۸۵ ادبستانِ لاہور

شام سے بنی امیّہ کے رشتے

امیر معاویہ نے شام کو اپنے قابو میں رکھنے کیلئے عیسائیت کے پیروؤں کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھا۔ غیر مسلموں کے ساتھ اچھے سلوک کا حکم اسلام نے خصوصاً دیا ہے ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ غیر مسلم اقوام مسلمانوں کی جانب سے رواداری کے رویّہ کی وجہ سے اسلام قبول کرنے پر تیار ہو گئیں۔ بظاہر امیر معاویہ کا سلوک اسلامی اصولوں کی پیروی نظر آتا ہے لیکن درحقیقت اس کا مقصد اسلام کی پیروی سے زیادہ اپنا اثر و رسوخ قائم کرنا تھا کیونکہ اسلام نے تو مسلمان بھائیوں کے ساتھ جس سلوک کا حکم دیا ہے اس کی خلاف ورزی امیر معاویہ نے اکثر و بیشتر کی۔

امیر معاویہ نے محبانِ علیؑ کے وظائف بند کرا دیئے تھے اُن کے جان و مال کو مباح قرار دے دیا تھا، انہوں نے اپنے سفاک طبیعت سپہ سالاروں کو ہر قسم کی چھوٹ دے دی تھی۔ حضرت علیؑ کی شہادت کی خبر سُن کر امیر معاویہ کی خوشی اور امام حسنؑ کی وفات کی اطلاع پر امیر معاویہ کا مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کرنا ان کے مزاج کی درشتگی کو ظاہر کرنے کیلئے کافی ہیں۔ جناب حجر بن عدی کا واقعہ تو امیر معاویہ کے دامن پر ایسا دھبّہ ہے

جس کی وجہ سے خود امیر معاویہ ساری عمر پشیمان رہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر سخت ملامت کی۔ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر معاویہ کو اپنا اقتدار عزیز تھا اس سلسلے میں انہیں نہ ظلم و ستم سے پاک تھا، نہ سیاسی ہتھکنڈہ بازی سے پرہیز۔ تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ہر قسم کے اقدامات کے لئے تیار رہتے تھے، شام کے عیسائیوں کے ساتھ بھی ان کا سلوک اپنے مفادات کے تحفظ کے سوا کچھ نہ تھا۔

امیر معاویہ نے شام کے ایک بااثر قبیلہ کی ہمنوائی حاصل کرنے کیلئے قبیلہ بنو کلب میں شادی بھی کرلی۔ یزید ان کی اسی بیوی کے بطن سے تھا۔ ان خاتون کا نام میسون تھا۔ یزید نے اپنے بیٹے خالد کی تعلیم کے لئے بھی ایک عیسائی استاد کی خدمات حاصل کی تھیں۔

بنو کلب شام کا بہت صاحب دبدبہ عیسائی قبیلہ تھا، جب اسلام شام میں فتح یاب ہوگیا تو اس قبیلے نے اسلام قبول کرلیا۔ اور امورِ حکومت میں اثر و رسوخ بھی استعمال کرلیا۔ بنو کلب میں شراب نوشی کوئی برا فعل نہیں تھا[1]

"کلبیوں میں شراب نوشی بالکل عام تھی۔ ان کے نزدیک یہ کوئی برا فعل نہیں کیونکہ اسلامی فتوحات سے قبل یہ لوگ نصرانی تھے، جو عام طور پر شراب و کباب کے عادی ہوتے تھے۔"

ام الیزید میسون کو دیہی زندگی بہت پیاری تھی، انہیں محل کی زندگی بالکل پسند نہیں تھی۔ ان کے شعر اس سلسلے میں ان کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں

[2] (ترجمہ) وہ گھر جس میں روحیں کانپتی رہتی ہیں مجھے عالی شان محل سے

---

[1] یزید تاریخ کے آئینہ میں" ابو النصر قدسی مترجم سید احمد علوی صفحہ ۳۰۳ ۔ نوری کتب خانہ لاہور

[2] عثمان رض عباس محمود العقاد ص ۱۱۳ مترجم عبد الرشید ندوی نفیس اکیڈمی کراچی

زیادہ محبوب ہے۔ موٹی اور ڈھیلی عبا میری آنکھوں کی راحت ہے۔ اور
بیب مجھے باریک اور نرم کپڑے سے زیادہ محبوب ہے۔ ذکی اور حسین میرا عم زاد
دبلا پتلا بھائی مجھے موٹے بھدے پیٹو شخص سے زیادہ محبوب ہے۔
مرے وطن کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ میرے لئے مرا وطن عزیز ہی
کافی ہے۔"

امیر معاویہ تنہا اموی نہیں ہیں جنھوں نے شام کے اس بااثر قبیلہ بنو کلب سے
رشتہ استوار کیا ہو۔ اس سے بڑی مثال حضرت عثمانؓ کی جناب نائلہ سے شادی کی ہے
جناب نائلہ کا قبیلہ کچھ مسلمان تھا اور کچھ عیسائیت کا پیرو تھا۔[ل] جناب نائلہ کے والد
کا نام فرافصہ تھا۔ سعید بن العاص نے جناب نائلہ کی بہن ہند بنت فرافصہ سے نکاح کرلیا
جو حسن و جمال ذہانت اور سلیقہ میں بہت مشہور تھیں۔ حضرت عثمانؓ نے سعید بن العاص
سے کہا کہ وہ ہند کی کسی بہن سے ان کا نکاح بھی کرا دیں۔ اس طرح حضرت عثمانؓ کا نکاح
اُن سے ہوا۔ جناب نائلہ نے اس عقد کے بارے میں بہت اثر انگیز شعر بھی کہے ہیں۔ جو
[۳] مذکورہ ترجمہ سے ہی اخذ کر کے پیش کئے جاتے ہیں۔

ترجمہ (اے ضب (حقیقی بھائی) کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں خدا کی قسم مدینہ
جانے والوں کے ہمرکاب ہوں۔ جب سواریوں نے مسافت طے کرنا
شروع کی تو غم سے آہ و بکا کرنے لگیں جب کہ تیز ہوائیں مہیب اور
طویل راستے پر چلنا شروع ہو گئیں۔

ل عثمانؓ ذو النورین سعید احمد اکبر آبادی صفحہ ۳۲۴ دفیصل اکیڈمی فیصل آباد
۲ عثمانؓ عباس محمود العقاد مترجم عبدالرشید ندوی صفحہ ۱۰۹ نفیس اکیڈمی
۳ عثمانؓ عباس محمود العقاد مترجم عبدالرشید ندوی صفحہ ۱۰۹ نفیس اکیڈمی کراچی

جناب نائلہ نے اپنی دیہی زندگی کی یادوں کا ذکر کس پُرسوز انداز میں کیا ہے۔ اس کا اندازہ ان کے اشعار کی گہرائی سے ہوجاتا ہے۔ تاہم ان کی حضرت عثمانؓ سے محبت بے مثال تھی۔ ایک بار حضرت عثمان نے پوچھا کہ کیا انہیں اُن کا بڑھاپا پسند نہیں ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم وہ اُن عورتوں میں سے ہیں جن کو ان کے خاوند بحالتِ کہولت بھی محبوب ہوتے ہیں۔

جناب نائلہ کو حضرت عثمانؓ سے جو لگاؤ تھا اُن کے بعد بھی قائم رہا۔ امیر معاویہ نے ان سے نکاح پر بہت اصرار کیا حتیٰ کہ وہ اس اصرار سے تنگ آگئیں۔

¹ جب ادھر سے (معاویہ کی جانب سے) اصرار شدید ہوا تو آپ نے اپنے دو دانت اکھیڑ کر امیر معاویہ کے پاس بھیج دیئے، مطلب یہ تھا کہ میں اب بدصورت ہوگئی ہوں، آپ کے کس کام کی؟

حضرت عثمانؓ اور امیر معاویہ کی شادیوں کی مثالوں سے مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ امویوں نے شام کے مضبوط قبائل سے جو رشتے استوار کئے تھے ان کی وجہ سے انھیں شام میں ہمدردیاں، اعتبار اور مراعات حاصل ہوتی تھیں جن کو استعمال کرنے کے مواقع امیر معاویہ کو حاصل ہوئے۔ اور انہوں نے حضرت علیؑ اور پھر امام حسنؑ کے مقابلہ پر اپنے لشکر کو لا کھڑا کیا ہے۔ اہلِ شام میں اُن کے اثرات اور روابط کے لئے اگر دیکھا جائے تو بہت سی اور مثالیں بھی مل جاتی ہیں۔

بنی امیہ کا شاعر اخطل تھا جو عیسائی تھا اور شام کا رہنے والا تھا اس کو یزید کی رفاقت حاصل تھی۔ ایک بار اس نے انصار کی ہجو کی۔ امیر معاویہ سے شکایت کی گئی تو یزید نے درمیان میں پڑ کر اخطل کی جاں بخشی کرائی۔

---

¹ عثمان ذُوالنورین مولانا سعید احمد اکبرآبادی صفحہ ۳۲۴ فیصل آباد اکیڈمی فیصل آباد

امیر معاویہ نے شام میں مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کو مختلف طریقوں سے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا، اور پھر ان کی ہمدردیوں سے وہ فائدہ اٹھایا جو شاید اُن کے سوا کوئی اور نہ اٹھا سکا۔

حضرت عثمانؓ کے قصاص کا نعرہ
اور
امیر معاویہ

حضرت عثمانؓ کا سانحہ بہت سے سیاسی اور سماجی عوامل کا سبب بن گیا۔ اس سانحے کے بعد چھپے ہوئے اختلافات، خوابیدہ دشمنیاں، دلوں کی چور خواہشیں اور فرسودہ نفرتیں ایک دم سب کے سب بیدار ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صرف چوبیس سال بعد اصحابِ رسولؐ ایک دوسرے کے مدِ مقابل آ گئے۔ حد تو یہ ہے کہ حضورؐ کی پیاری بیوی ام المومنین حضرت عائشہؓ بھی جو ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی تھیں، میدانِ جنگ میں اپنے حامیوں کا حوصلہ بڑھانے میں مصروف ہو گئیں۔

تاریخ کا بغور اور تجزیاتی مطالعہ کرنے والے افراد خوب جانتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اصحابِ رسولؐ کے ساتھ جو سلوک روا رکھا وہ ناروائی کے زمرے میں آتا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے ممتاز صحابی سعدؓ بن ابی وقاص کو کوفے سے معزول کر کے اپنے ماں جائے ولید بن عقبہ کو وہاں مقرّر کر دیا۔ بصرہ کے گورنر ابوموسیٰ اشعری تھے ان کی جگہ اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو منصب دے دیا۔ عمرو بن العاص کو مصر سے علیحدہ کر کے اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا ولایت سونپ دی گئی۔ عمال میں ردّوبدل خلیفہ کا استحقاق ہے اور رشتہ دار محض اس بنا پر حقوق سے محروم نہیں کئے جا سکتے کہ وہ خلیفہ کے عزیز ہیں۔ مگر ان کا استحقاق اسی وقت بنتا ہے جب وہ صلاحیت رکھتے ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے جن افراد کو مقرّر کیا۔ وہ صرف ایک شرط پر پورے اُترتے تھے، یعنی رشتہ داری کی بنیاد پر اعتماد۔ اس کے برخلاف معزول شدہ افراد کی صلاحیتوں اور تدبیری لیاقت اظہر من الشمس ہے۔

حضرت عثمانؓ نے بعض اصحابِ رسولؐ کے ساتھ تادیبی کارروائیوں میں تشدّد کا مظاہرہ بھی کیا۔ حضرت ابوذر غفاری کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا، وہ مسعودی کے مطابق یہ تھا کہ انہیں پہلے شام بھیجا گیا، امیر معاویہ نے انہیں شام سے مدینہ بھیج دیا۔ مدینہ سے انہیں ربذہ جلاوطن کر دیا گیا۔ اور انہوں نے عالمِ غربت میں اس دُنیا سے کوچ کیا۔

حضرت عمار یاسرؓ کو جو حضورؐ کے اصحاب میں بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ مروان بن حکم کے کہنے پر حضرت عثمانؓ نے اپنے غلام سے پٹوایا۔ اور خود بھی انہیں بہت مارا اور پھر بے ہوشی کی حالت میں دروازے سے باہر پھینک دیا۔ (نقوش۔ رسول نمبر حصہ سیزدہم، حضرت عثمان از عمر ابوالنصر)

حضرت عثمان کے دور میں اصحابِ رسول کے ساتھ جو سلوک تھا، اس سے

زیادہ تاریک صورتحال حضرت عثمانؓ کے سانحہ کے بعد پیدا ہوئی۔ جناب سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت علیؑ کی بیعت سے انکار کر دیا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے بھی بیعتِ علیؑ کی طرف کسی رغبت کا اظہار نہیں کیا۔ جناب زبیر اور جناب طلحہؓ نے تو ام المومنین حضرت عائشہؓ کو بھی حضرت علیؑ کے خلاف صف آرا کر دیا۔ امیر معاویہ نے جنگ صفین لڑی اور اس کے بعد بھی حضرت علی کو دھمکیاں دیتے رہے کہ وہ ایسے لاکھ سواروں کے ساتھ مقابلہ کریں گے جو اونٹ اور اونٹنی کا فرق نہیں سمجھتے۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؑ کے دور کی ان مثالوں سے جو نمایاں، مستند اور معتبر ہیں، ان لوگوں کا نظریہ تربیت باطل ہو جاتا ہے جس کے مطابق تربیت یافتہ افراد کے منفی اعمال سے منبع تربیت پر حرف آتا ہے اس قسم کا نظریہ تربیت جہل ہے جس طرح ابلیس کی سرکشی سے خدا پر الزام نہیں آتا۔ فرزندِ نوحؑ سے حضرت نوحؑ ملزم نہیں ٹھہرتے، یوسفؑ کے بھائیوں کا جرم حضرت یعقوبؑ کے سر نہیں جاتا۔ اسی طرح اصحاب رسولؐ کی باہمی چپقلش یا ایک فریق کی سازشیں اصحاب کی ذاتی اور انفرادی طبیعتوں پر محمول ہیں۔ تربیت کا دار و مدار اکتسابی صلاحیت پر ہوتا ہے

حضرت علیؑ کی بیعت ہوتے ہی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اقتدار حاصل کرنے کے خواہش مند میدانِ عمل میں آگئے۔ امیر معاویہ نے شام میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا انہوں نے بیس سالہ اقتدار کو آسانی سے چھوڑنا گوارہ نہ کیا۔ اور حضرت علیؑ انھیں ایک لمحہ برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے۔ مغیرہ بن شعبہ جو در پردہ معاویہ کے حامی تھے حضرت علیؑ کا عندیہ لینے آئے اور جب انہوں نے اندازہ کر لیا کہ امیر معاویہ کے معاملہ میں علیؑ اپنے موقف سے نہیں ہٹیں گے تو شام میں حکمتِ عملی طے پائی کہ اقتدار نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ابنِ خلدون نے مغیرہ بن شعبہ کے مشورے اور ابنِ عباسؓ کے تبصرہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔

لہ "مغیرہ آئے رائے دی کہ جب تک حکومت و خلافت کو استقلال

حاصل نہ ہو اس وقت تک عمال عثمانؓ کو برقرار رکھیئے" استقلال و

استقرار حکومت کے بعد جس کو چاہے معزول کر دیجئے گا" علیؑ نے

جواب دیا۔ "یہ مجھ سے نہ ہو گا" پھر دوسرے دن مغیرہ نے آکر

کہا۔ "جہاں تک جلد ممکن ہو، عمال عثمانؓ کو تبدیل کر دیں"۔

ابن عباسؓ نے یہ سنا تو بولے "مغیرہ نے کل نصیحت کی تھی اور آج

دھوکہ دیا۔"

طبری نے اس واقعے کو بہت وضاحت کے ساتھ متواتر لکھا ہے۔ طبری

کے مطابق مغیرہ بن شعبہ حضرت علی کو نصیحت کرنے گئے اور کہنے لگے۔

"بہتر یہ ہے کہ آپ معاویہ اور ابن عامر کو ان کے عہدوں پر قائم رکھنے اس

طرح بقیہ گورنروں کو بھی اُن کے عہدوں پر برقرار رکھیئے"۔

حضرت علیؑ نے کہا

"میں اس رائے پر غور کروں گا۔

اس کے بعد مغیرہ علیؑ کے پاس سے چلے آئے اور اگلے روز پھر اُن کے پاس

گئے اور کہنے لگے میں نے کل آپ کو ایک مشورہ دیا تھا لیکن بہترین رائے یہی ہے کہ

آپ فوراً انھیں اُن کے عہدوں سے برطرف کر دیں"۔

"مغیرہ جب حضرت علیؑ کے پاس سے گئے تو ابن عباسؓ نے انھیں جاتے

ہوئے دیکھا۔ وہ حضرت علیؑ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا کہ میں نے مغیرہ کو

آپؑ کے پاس سے نکلتے دیکھا وہ کس لئے آئے تھے؟

حضرت علیؑ نے فرمایا وہ کل بھی آئے تھے اور مجھے یہ مشورہ دے رہے تھے اور

آج آئے تو یہ مشورہ دیا"

حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ نے فرمایا کل انہوں نے جو مشورہ دیا تھا وہ فی الواقع خیر خواہی پر مبنی تھا اور آج انہوں نے آپؑ کو دھوکہ دیا۔

حضرت علیؑ نے مغیرہ بن شعبہ کے کسی مشورے کو نہیں مانا۔ پہلا تو مغیرہ بن شعبہ کا مشورہ تھا جسے حضرت علیؑ نے رد کر دیا تھا، دوسرے دن تو مغیرہ خود حضرت علیؑ کی رائے سے اتفاق کرنے آئے تھے اور عبداللہ ابنِ عباسؓ نے ان کے متفق ہونے کو دھوکا قرار دیا۔ یعنی عبداللہ ابنِ عباسؓ کا کہنا تھا کہ مغیرہ بن شعبہ کا دوسرے دن کا بیان محض حضرت علیؑ کو مغالطہ اور دھوکا دینا ہے اور وہ حضرت علیؑ کے خیر خواہ نہیں ہیں۔ بہر حال حضرت علیؑ نے مغیرہ بن شعبہ کی نصیحت کو اہمیت نہیں دی کیونکہ حضرت علیؑ سمجھ رہے تھے کہ مغیرہ درپردہ شامی عناصر کے مفادات کی حفاظت کر رہے ہیں۔

یہی مغیرہ بن شعبہ تھے جنھوں نے امیر معاویہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ یزید کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیں۔

خواہشمندانِ اقتدار میں جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ بھی تھے، انہوں نے تو حضرت علیؑ سے صاف طور سے کہہ دیا تھا کہ وہ حکومت میں شرکت کے امیدوار ہیں۔ طلحہؓ بصرہ کی، اور زبیرؓ کوفہ کی امارت کے طلب گار تھے۔ ایک بار وہ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"اے علیؑ کیا آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے آپ کی بیعت کس چیز پر کی تھی؟"

حضرت علیؑ نے جواب دیا "آپ نے اس چیز پر بیعت کی تھی کہ آپ میری اطاعت کریں گے جس طرح آپ نے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی بیعت کی تھی۔"

ان دونوں نے کہا۔

"نہیں۔۔ ہم نے بیعت اس بات پر کی تھی کہ آپ امورِ خلافت میں ہمیں بھی شریک کریں گے۔"

نقوش (رسول نمبر) سیزدہم) صفحہ ۳۸۴ (حصہ علی مرتضیٰؑ) از عمر ابو النصر

حضرت علیؓ نے ان کی اس بات کو سختی سے رد کر دیا جس پر یہ ناراض ہو کر وہاں سے چلے آئے۔"

جب حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو اس کا پتہ چلا تو وہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا "میرا خیال ہے کہ یہ دونوں ولایت کے طالب ہیں، آپ زبیرؓ کو بصرہ کا اور طلحہ کو کوفے کا والی مقرر کر دیجئے۔"

طلحہؓ اور زبیرؓ ولایت ہی نہیں خلافت کے بھی خواب دیکھ رہے تھے، اس سلسلے میں جناب طلحہؓ تو اس کے عرصہ دراز سے خواہش مند تھے۔ جب حضرت عثمانؓ محصور ہوئے تو یہ بعض عناصر کو اپنے گرد جمع بھی کر لیتے تھے۔

لہ "ادھر حضرت علیؓ کی غیر موجودگی میں طلحہ بن عبیداللہ ان لوگوں کی خواہشات کا مرکز بن گئے تھے شاید وہ اپنے لئے خلافت کے خواہش مند تھے۔"

یہ صورت حال دیکھ کر حضرت علیؓ نے جناب طلحہ کو سمجھایا اور ایسے اقدامات کئے جن کی وجہ سے طلحہ علیحدہ رہ گئے۔ یہ حضرت علیؓ نے اپنے لئے نہیں کیا تھا بلکہ اس میں حضرت عثمانؓ کی ہمدردی کا جذبہ کارفرما تھا، اس لئے انہوں نے یہ ساری صورتحال حضرت عثمانؓ کے گوش گزار کر دی اور جناب طلحہؓ ان کے پاس معذرت کرنے کیلئے گئے تو حضرت عثمانؓ نے کہا۔ ۲ہ

"خدا کی قسم تم درحقیقت معافی مانگنے نہیں آئے بلکہ صرف اس وجہ سے آئے ہو کہ تم مغلوب ہو چکے ہو۔"

حضرت عثمانؓ یہ بھی کہا کرتے تھے

"میں نے طلحہؓ کو بے شمار مال و دولت سے نوازا، لیکن وہ میرے خون کا پیاسا ہے، اور لوگوں کو میرے خلاف ابھارتا ہے۔ اے اللہ

لہ ۲ہ نقوش رسول نمبر سیزدھم (حصہ عثمان غنیؓ) صفحہ ۳۳۵، ۳۳۶ عمر ابوالنصر

اس کو کچھ نہ دے۔ اور اس کی سرکشی کا مزا اس کو چکھا۔"

عمر ابو النصر کے مطابق حضرت عثمان کی شہادت کا سب سے بڑا سبب جناب طلحہ کی مخالفت تھی، وہ خود کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے، انہوں نے لوگوں کو شہہ دی جناب زبیرؓ نے اُن کی حمایت کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کی قیام گاہ پر حملہ ہو رہا تھا تو جناب طلحہ منہ پر کپڑا باندھے تیر چلا رہے تھے اور انہوں نے ہی حضرت عثمان کے گھر میں داخل ہونے کا راستہ بتایا تھا۔

جب حضرت طلحہؓ کا یہ حال ہو اور زبیرؓ اُن کے حامی ہوں تو ان کی بیعت یقیناً مشکوک تھی اور ان کے منصوبے اور اُن کی امیدیں جلد عملی شکل میں آ گئیں۔ وہ خود ہی "قتلِ عثمانؓ کا قصاص لیں گے" کا نعرہ لگا کر حضرت علیؑ کے سامنے آ گئے۔ وہ اس نعرہ سے قطعاً وفادار نہیں تھے انہوں نے تو ایک ایسے گروہ کو اپنے مفادات کے لئے جمع کرنا چاہا تھا جو عثمانی تھا اور حضرت علیؑ کو ناپسند کرتا تھا اس عثمانی گروہ مختلف الخیال ایسے افراد سے تعبیر کیا جاتا ہے جو اپنے مفادات میں تو مختلف تھے، مگر علیؑ کی مخالفت میں مشترک تھے، مثلاً طلحہؓ اور زبیرؓ اقتدار میں علیؑ کے مخالف تھے، ام المومنین حضرت عائشہ چند وجوہ سے علیؑ کو پسند نہیں کرتی تھیں، جناب عبداللہؓ ابنِ عمرؓ کے دل میں اپنے بھائی عبید اللہ ابنِ عمر سے محبت تھی۔ وہ علیؑ سے جذباتی کدورت رکھتے تھے۔ لیکن اکثر اصولی معاملات میں وہ سخت تھے جیسے انہوں نے اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہؓ کو بصرہ جانے سے روکا، یا امیر معاویہ کی غیر اصولی باتوں کو رد کر دیا جس کا ذکر آگے آئے گا۔ بنی امیہ اور ان کے حلیف۔ غرض ایک تعداد حضرت علیؑ کی مخالفت میں متحد ہو گئی تھی۔ ان سب کے پاس حضرت علیؑ کو زچ کرنے کے لئے قتل عثمانؓ کے قصاص کا نعرہ ایک ہیتھیار تھا۔ ان میں سے بعض نے یہ پروپیگنڈہ بھی شروع کر دیا تھا کہ حضرت علیؑ قتلِ عثمانؓ کے ذمے دار ہیں حالانکہ بنی امیہ کے سرکردہ افراد بھی یہ کہہ رہے

تھے کہ قصاصِ عثمانؓ کے اوّلین دعویدار جو حضرت علیؑ کی مخالفت میں مکہ سے بصرہ جا رہے تھے اور ان میں ام المومنین حضرت عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ شامل تھے، یہی قتلِ عثمان کے ذمّہ دار تھے۔

عمر ابو النعمان لخمی نے بیان کیا ہے کہ سعید بن عاص نے حضرت عائشہ سے سوال کیا کہ وہ کس ارادے سے نکلی ہیں تو انہوں نے قصاص عثمانؓ کا ذکر کیا۔ سعید بن عاص نے طلحہ اور زبیر کی نشاندھی کی۔ اور کہا کہ حضرت عثمان کے قاتل تو آپ کے ساتھ ہیں۔ یہی بات سعید بن عاص نے مروان بن حکم سے کہی اور صاف سے کہا۔[1]

"عثمانؓ کو ان دونوں آدمیوں (طلحہؓ اور زبیرؓ) نے قتل کیا۔ یہ دونوں خلافت اپنے لئے چاہتے تھے، جب یہ اپنی سازش میں کامیاب ہو چکے تو اب ایک خون کو دوسرے خون کے ذریعے اور ایک گناہ کو توبہ کے ذریعے دھونا چاہتے ہیں۔"

قصاصِ عثمانؓ کے نعرہ کی حقیقت یہ تھی کہ بنی امیہ اور ان کے ہمدرد یہ جان رہے تھے کہ جنگِ جمل کے محرکین اس نعرہ کے ساتھ مخلص نہیں ہیں، ابتداء میں بھی انہوں نے یہی کہا۔ مروان بن حکم نے اس الزام میں جناب طلحہ پر قاتلانہ حملہ بھی کیا۔[2] جنگِ جمل میں نعرہ تو کچھ اور تھا اور مقاصد کچھ اور تھے۔ حضرت عثمانؓ کے پردے میں علی کو ناکام بنانا تھا، مگر وہ سارے عناصر اس میں کامیاب نہ ہوئے۔ اور جب جنگ جمل اختتام کو پہونچی تو علیؑ مزید طاقت ور ہو کر سامنے آئے یہاں تک تمام عثمانی اور متفقین عثمانی، حضرت علیؑ کو حاکم ماننے پر راضی ہو گئے۔ یہ دوسری بات کہ جب انہیں موقع ملا تو وہ علیؑ سے علیحدہ ہو کر خوارج کے زمرے میں شامل ہوئے۔

صاحبانِ جمل اپنے اس نعرہ میں بالکل مخلص نہیں تھے، کیونکہ اس

---

[1] نقوش، رسول نمبر، سیزدھم، صفحہ ۳۹۰
[2] سیرت عائشہؓ، علامہ سلیمان ندوی، صفحہ ۱۴۰، اردو اکیڈیمی سندھ

جنگ کے بعد جب حضرت علیؑ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ام المومنین نے قصاص عثمان کے موضوع پر کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔ جنگِ جمل جس شخص کے خون کا بدلہ لینے کے لئے لڑی گئی تھی ابتداء سے انجام تک حضرت عثمانؓ کے سلسلے میں خاموش ہے۔

حضرت عثمانؓ کی مظلومیت اور بے بسی ان کے سانحہ قتل سے زیادہ اس امر میں پوشیدہ ہے کہ اقتدار پسندوں اور طالع پرستوں نے ان کے نام پر جنگیں لڑیں مگر ان کے نام کو ایک نعرہ کے طور سے استعمال کیا۔ جنگِ جمل کے بعد امیر معاویہ نے بھی اس نعرہ کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کا تہیہ کیا۔

امیر معاویہ اسلامی سلطنت پر اپنے اقتدار کا جو خواب دیکھ رہے تھے، اسے کچھ تو اتفاقات نے اور کچھ خود امیر معاویہ کی حکمتِ عملی نے حقیقت میں بدلنے کے امکانات پیدا کر دیئے تھے۔ انہوں نے حضرت عثمان[1] کو بھی ایک بار یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ انقلابی عناصر سے بچنے کیلئے ان کے ساتھ شام چلے جائیں۔ اس طرح وہ خلیفہ کو ہی نہیں بلکہ دارالخلافہ بھی شام منتقل کرنا چاہتے تھے، ظاہر تھا کہ جب حضرت عثمانؓ امیر معاویہ کے اس مشورے پر دانستہ یا نادانستہ عمل درآمد نہ کر سکے اور یوں امیر معاویہ مرکز کو دمشق نہ لے جا سکے۔ لیکن جب حضرت علیؑ خلافت پر متمکن ہوئے اور امیر معاویہ نے اچھی طرح جانچ لیا کہ اب انہیں شام کی گورنری سے معزول کیا جائے گا تو انہوں نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کر کے اسلامی سلطنت پر کلی اختیار نہیں تو کم از کم دو اسلامی سلطنتیں قائم کرنے کا بھرپور ارادہ کر لیا۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون حصہ اول مترجم حکیم احمد حسین صفحہ ۷۷۸ نفیس اکیڈیمی کراچی

امیر معاویہ اقتدار کیلئے بہت حد آگے نکل گئے تھے، انہوں نے حضرت علیؑ سے جنگ کو اپنے ذاتی مفادات کیلئے ایسا ضروری قرار دے لیا تھا کہ وہ اس ضمن میں اپنے مخالفوں سے دوستی اور دشمنوں سے معاہدہ کر رہے تھے یہ عمرو بن العاص سے ان کا اتحاد خیال نہیں تھا۔ لیکن حضرت علیؑ کے خلاف امیر معاویہ نے عمرو بن العاص سے مل کر مشترکہ محاذ بنا لیا۔ اور یہ دونوں حضرات ایسے گھلے ملے کہ تحکیم کے موقع پر عمرو بن العاص امیر معاویہ کے معتبر نمائندہ کی حیثیت سے سامنے آئے انہوں نے ہی امیر معاویہ کو صفین میں شکست سے بچنے کا راستہ سمجھایا۔

معروف مؤرخ انیس زکریا لغولی نے النخوی کے حوالے امیر معاویہ اور عمرو بن العاص نے اپنے شدید باہمی اختلاف کو اپنے اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ کے لئے کس طرح پس پشت ڈال دیا تھا۔ جس طرح جنگِ جمل کے محرکین علی کی مخالفت کے موضوع پر اختلاف رائے کے باوجود متحد ہو گئے تھے۔ اسی طرح یہاں بھی اتحاد کی صورت نکل آئی تھی۔[۵]

"معاویہ اور عمرو بن العاص میں قلبی محبت نہیں تھی بلکہ دونوں ایک دوسرے سے بغض رکھتے تھے لیسا اوقات اس امر کا اظہار ان دونوں کے چہروں اور اقوال سے بھی ہو جاتا تھا، دراصل چونکہ دونوں کی مصلحت ایک تھی اس لئے آپس میں اتحاد ہو گیا تھا کیونکہ معاویہ خلافت چاہتے تھے اور عمرو بن العاص سر سبز اور شاداب مصر کی سرزمین پر عملداری۔"

امیر معاویہ نے اپنے اندرونی دشمنوں سے اتحاد کر لیا تھا اور صرف اس پر ہی بس نہیں کی تھی بلکہ وہ مسلم دشمن طاقتوں سے بھی معاہدے کر رہے تھے انہیں روم کی عیسائی طاقت سے مفاہمت عزیز تھی اور اگر گوارا نہیں تو علیؑ کی بیعت ـــ

۵: امیر معاویہ انیس ذکریا لفوبی مترجم عبدالصمد صارم صفحہ ۹ مکتبہ میری لائبریری لاہور

بیعت علیؑ سے انحراف نے انہیں روم سے مفاہمت پر بھی آمادہ کرلیا تھا[۵]

معاویہ اور شاہ روم کے درمیان صُلح نامہ میں یہ شرط بھی شامل تھی

کہ اگر اول الذکر (معاویہ) کو علیؑ سے جنگ کرنا پڑی تو روم کی طرف

سے شام کو زرو نقد کے علاوہ سامان رسد بھی حسب ضرورت

ملتا رہے گا۔"

اتحاد بین المسلمین کو توڑنے اور غیر مسلموں سے تعاون کی یہ پہلی مثال ہے

بہت عجیب مثال ہے جو عالمِ اسلام میں امیر معاویہ نے شاہِ روم سے ایک معاہدے کے ذریعے قائم کی۔ امیر معاویہ نے حضور اکرمؐ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کو نظر انداز کردیا۔ جس کے مطابق مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔

امیر معاویہ نے اس طرح اپنے اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے ساز باز کرکے ان ممکنہ خطرات سے نجات پالی جو ان کے ارادوں کی تکمیل میں کسی طرح اثر انداز ہو سکتے تھے۔ ان معاملات کے ساتھ ساتھ اب امیر معاویہ نے حضرت علیؑ کو براہِ راست قتلِ عثمانؓ کا الزام دینا شروع کیا۔ اس سلسلے میں دمشق کی جامع مسجد میں نماز کے ساتھ ساتھ حضرت عثمان کے قتل کے سانحے کی تشہیر اور اہل شام کو برانگیختہ کرنے کی مہم کا زور شور سے آغاز کیا گیا۔ اس سے قبل مسجد اتحاد بین المسلمین کا مرکز بنتی تھی مگر حضرت امیر معاویہ اپنے کلی اقتدار کے قیام کے لئے مسجد کو پروپیگنڈہ اور کردار کشی کی مہم کا مرکز بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت عثمان کے سانحہ سے سیاسی فائدہ اٹھانے کیلئے امیر معاویہ نے حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص منبر پر لٹکائی حضرت نائلہ زوجہ عثمانؓ کی

طبری خلافت علی۔ صفحہ ۲۳۰ مترجم حبیب الرحمٰن صدیقی نفیس اکیڈیمی کراچی

کٹی ہوئی انگلیاں اپنی گردن میں ڈالتے، لوگوں کو رلاتے اور مشتعل کرتے لوگوں کو قصاص عثمانؓ پر آمادہ کر لیتے۔

"حضرت نعمان بن بشیر مدینے سے حضرت عثمانؓ کی وہ قمیض لیکر شام پہنچے جس میں حضرت عثمان شہید کئے گئے تھے اور جو خون میں تر تھی۔ نعمان کے ساتھ حضرت عثمان کی زوجہ کی انگلیاں بھی تھیں جن میں سے دو انگلیاں تو پوروں سے کٹی ہوئی تھیں، ایک ہتھیلی سے اور دو جڑ سے کٹی ہوئی تھیں اور آدھا انگوٹھا تھا۔ حضرت امیر معاویہ نے قمیص منبر پر رکھ دی۔ اور تمام مقامات کے لشکروں کو اس قمیص کے حال سے مطلع کیا۔ لوگ اس قمیص پر ٹوٹ پڑے، یہ قمیص ایک سال تک منبر کے اوپر رکھی رہی۔ اور انگلیاں ٹنگی رہیں۔ لوگ اس قمیص وغیرہ کو دیکھ کر زار و قطار روتے تھے۔ لوگوں نے قسمیں کھائی تھیں کہ وہ نہ تو اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے۔ اور نہ بغیر شرعی مجبوری غسل کریں گے۔ اور نہ بستروں پر سوئیں گے تاوقتیکہ قاتلینِ عثمان کو قتل نہ کردیں اور جو شخص ان کی راہ میں حائل ہوگا اسے فنا کے گھاٹ اتار دیں گے۔۔ یا خود ختم ہو جائیں گے" لوگ اسطرح قمیض عثمان پر ٹوٹے پڑے رہے یہ قمیض روزانہ منبر پر رکھی جاتی کبھی کبھی امیر معاویہ اس قمیض کو خود پہنتے اور اپنے گلے میں نائلہ کی انگلیاں ڈال لیتے۔

امیر معاویہ نے اہلِ شام کو مشتعل کرنے کی کوئی ترکیب نہیں چھوڑی تھی، انہوں نے سارا الزام حضرت علیؓ پر عائد کردیا تھا۔ وہ ان سے کہتے تھے کہ حضرت علیؓ نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے۔ اس طرح اہلِ شام کی نفرتوں کا رخ علیؓ کی جانب

کر دیا گیا تھا۔ حضرت علیؑ سیاسی اور سماجی پس منظر سے بیس سال سے زائد عرصہ دور رکھے گئے تھے اس لئے اہل شام ان کے منصب اور مقام سے بے خبر تھے۔ وہ امیر معاویہؓ اور ان کے رشتہ داروں کے علاوہ حضور کے کسی عزیز سے واقف نہیں تھے۔ وہ اہلِ بیتِ رسولؐ سے ناواقف تھے۔ حضرت علیؑ سے بے خبر تھے۔

جنگِ صفین کے موقع پر حضرت علیؑ کے پر زور حامی اور جاں نثار حضرت ہاشم ابن عتبہ بن ابی وقاص یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص کے سگے بھتیجے نے ایک شامی نوجوان کو دیکھا جو حضرت علیؑ کے لشکر پر حملہ کر رہا تھا اور کہتا تھا کہ علیؑ نے عثمان کو قتل کیا ہے پھر گالیاں دیتا اور لعنت بھیجتا تھا۔ اور جناب ہاشم نے اسے نصیحت کی تو اس نوجوان نے کہا :

"میں تو تم سے اس لئے جنگ کرتا ہوں کہ تمہارا امیر نماز نہیں پڑھتا اور تم لوگ بھی نماز نہیں پڑھتے۔ میں تو تم سے اس لئے جنگ کرتا ہوں کہ تمہارے امیر نے ہمارے خلیفہ کو قتل کیا ہے اور تم لوگ بھی خلیفہ کے قتل کے خواہاں تھے۔"

جناب ہاشمؓ نے اسے بتایا کہ علیؑ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلے نماز پڑھنے والے۔ دین سے سب سے زیادہ واقف ہیں اور علیؑ کے لشکری نماز و تہجد کے پابند ہیں۔

جناب امیر معاویہ نے اہلِ شام کی حضرت علیؑ سے ناواقفیت، سانحہ عثمان کی انفرادیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اکابرین شام کو مشتعل کرنے کی پالیسی بھی اختیار کی، اس سلسلہ میں عمرو بن العاص کے مشورے کے مطابق انہوں نے شرحبیل بن السمط کو یہ باور کرایا کہ حضرت علیؑ بڑے ملزم ہیں۔ شرحبیل کو یہ باور

کرانے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ مختلف اوقات میں امیر معاویہ کے حاشیہ نشین رفقاء
شرحبیل بن السمط کو سانحہ عثمانؓ کی خبر دیتے، حضرت علیؓ کے خلاف بولتے۔ حضرت عثمانؓ
کی مظلومیت پر اظہار خیال کرتے۔ اس طرح کئی گواہوں کے ذریعہ شرحبیل بن السمط
کو یہ یقین دلا دیا گیا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتل حضرت علیؓ ہیں اور ان سے جنگ کرنا
ضروری ہے۔ اس کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شرحبیل ابن السمط خود امیر معاویہ کے
پاس پہونچ گیا اور اس نے قسم کھا کر کہا کہ اگر معاویہ نے حضرت علیؓ کی بیعت کی تو
وہ امیر معاویہ کو شام سے نکال دیں گے۔ شرحبیل کی اس میں بدنیتی شامل نہیں
تھی، اسے تو امیر معاویہ نے اس خوب صورتی سے اپنے دام میں پھانس لیا تھا کہ
وہ حضرت علیؓ کو ملزم گردانے میں حق بجانب تھا، امیر معاویہ یہی چاہتے تھے۔
انہوں نے فوراً حامی بھر لی اور کہا[۵]

"میں تمہارے حکم کے خلاف نہیں جا سکتا۔ میں بھی تم میں سے ایک فرد
ہوں"

امیر معاویہ نے حضرت علیؓ کے مخالفین کو پختہ کرنے کے بعد اپنا دوسرا
ہتھیار حضرت علیؓ کے حامیوں پر آزمانا شروع کیا۔ اس ہتھیار کا استعمال انہوں
نے حامیانِ علی پر بھی کیا جو کسی نہ کسی وجہ سے اس معاملہ میں غیر جانب دار تھے۔
غیر جانب دار حضرات میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ
اور محمد بن مسلمؓ تھے۔ حامیانِ علیؓ میں محمد بن حذیفہ، قیس بن سعد، زیاد بن حفصہ
تھے۔ امیر معاویہ نے ان سب کو خطوط لکھے اور انہیں مال و دولت کے ہتھیار سے
اپنا ہمنوا بنانا چاہا۔ یہی نہیں بلکہ جب تحکیم کا معاملہ ہوا تو جناب موسیٰ اشعری کو

---

۵ امیر معاویہ انیس ذکر بالصولی مترجم عبدالصمد صارم صفحہ ۲۰ میری لائبریری لاہور

بھی رشوت پیش کی گئی

امیر معاویہ نے (روضتہ الصفا کے حوالے سے) جناب عبداللہؓ ابن عمر اور جناب سعدؓ بن ابی وقاص کو خطوط لکھے جن کا خلاصہ تھا:

"جو کچھ آپ حضرات سے طلب کیا جا رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے یہاں کے مسلمانوں کو خونِ عثمانؓ کے قصاص کے لئے آمادہ و تیار کر کے لشکر گاہ میں شامل کریں تاکہ آخرت کے ثواب کے مستحق قرار پائیں"

جناب عبداللہؓ ابنِ عمر نے معاویہ کے خط کا جواب اس طرح دیا کہ تمہاری تحریر موصول ہوئی۔ کاشف حالات ہوئی، اور میں تعجب کرتا ہوں کہ تم مجھے اپنی اطاعت اور مددگاری کے لئے بلاتے ہو اور مہاجرین اور انصار کے قتل کرنے پر اکساتے ہو لعض رکھو کہ خونِ عثمانؓ کا قصاص طلب کرنے سے تمہارا مقصد سوائے جاہ منصب حاصل کرنے کے اور کچھ نہیں۔"

جناب عبداللہؓ ابنِ عمر نے امیر معاویہ کے مکتوب کا بہت سخت جواب دیا اور انہوں نے صاف طور سے کہہ دیا کہ وہ امیر معاویہ کے قصاص کے نعرہ کو محض جاہ و منصب حاصل کرنے کا نعرہ سمجھتے ہیں، انہوں نے اپنی غیر جانب داری کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا۔

"جو تم نے یہ لکھا ہے کہ میں علیؑ کی مخالفت اختیار کر کے گھر میں بیٹھ گیا ہوں تو یہ تمہاری دوسری غلطی ہے خدا کی پناہ کہ میں اور علیؑ کے خلاف جاؤں اور ان سے عناد رکھوں اے معاویہ [1]

---

[1] امیر معاویہ تاریخ کے آئینہ میں ذوالقرنین زیدی ھا

تم یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ میں نے مسلمانوں کو خوں ریزی سے ڈرتے ہوئے علیحدگی اختیار کر لی ہے

[1] حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے امیر معاویہ کو جواب دیا۔

"تمہارا خط پڑھا اور جس باطل کے طریقہ پر تم نے مجھے دعوت دی ہے اس سے اطلاع پائی۔ تم نے لکھا ہے کہ عثمان کو ظلم سے قتل کیا گیا" تو جان لو کہ رب احکم الحاکمین ہے اور وہی حق کو باطل سے جدا کرنے والا ہے۔ اسی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہرگز علیؓ ابن ابی طالبؓ کے ساتھ جنگ نہیں کروں گا۔ اور ان کے خلاف تمہاری مدد نہیں کروں گا اور میں نے اسی فتنہ کے خوف سے جو اہلِ اسلام میں ظاہر ہو رہا ہے۔ علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ اور اپنے گھر گوشۂ تنہائی میں بیٹھ گیا ہوں"۔

جناب محمد مسلمؓ جو حضرت عثمان کے خاص حامی تھے ان کو بھی امیر معاویہ نے خط لکھا تھا، اس کے جواب میں انہوں نے بھی جناب امیر معاویہ کے ارادوں پر شک کا اظہار کیا۔ وہ بھی جان لیے تھے کہ امیر معاویہ محض حصولِ مملکت کے خواہاں ہیں اور قصاص عثمانؓ محض ایک اشتعال انگیز بہانہ ہے، انہوں نے جواب دیا۔

[2] "تحقیق کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ کام جو تم نے ہاتھ میں لیا ہے، اس سے تمہاری غرض حصولِ مملکت و سلطنت ہے نہ کہ خونِ عثمانؓ کا انتقام لینا۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہونا چاہیئے کہ میں تمہاری طرف داری کر کے تم کو علیؓ پر ترجیح نہ دوں گا۔ اور تمہاری خاطر

---

[1] [2] معاویہ تاریخ کے آئینہ میں صفحہ ۱۶۴-۱۶۵ ذوالقرنین زیدی ہما

ان کی مخالفت نہ کروں گا۔"

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ ابنِ عمر اور حضرت محمد بن مسلمؓ کا شمار حضرت علیؑ کے حامیوں میں نہیں ہوتا تھا۔ وہ غیر جانب دار تھے، انھوں اس غیر جانب دارانہ پالیسی کے اسباب بھی پیش کر دیئے اور یہ بھی بتادیا کہ اگرچہ وہ حضرت علیؑ پر امیر معاویہ کو ترجیح نہیں دیتے تاہم وہ امیر معاویہ کے اس نعرہ کو جس کی بنا پر وہ حضرت علیؑ کے مقابلے میں لوگوں کو اکٹھا کر رہے ہیں، شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اسے امیر معاویہ کے حصولِ مملکت اور جاہ ومنصب حاصل کرنے کا ایک سیاسی ہتھکنڈہ سمجھتے ہیں ان غیر جانب دار اکابرین نے امیر معاویہ کی حکمتِ عملی کا تجزیہ کر کے یہ بات اچھی طرح لی تھی کہ امیر معاویہ قصاصِ عثمانؓ سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے بلکہ وہ اس کے ذریعہ عثمانی عناصر اور مخالفین علیؑ کو متحد کر کے اقتدار حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ ان اکابرین کا یہ تجزیہ حالات کے عین مطابق تھا۔ مستقبل نے ثابت کر دیا کہ معاویہ اس مطالبے میں سچے نہ تھے۔

قیس بن سعد کا شمار مدبرین عرب میں ہوتا تھا (ابن خلدون) امیر معاویہ انہیں یک لاکھ جنگ آوروں سے زیادہ اہمیت دیتے تھے (ابن خلدون صفحہ اول ۵۱۵) یہ حضرت علیؑ کے حامی تھے، بعد ازاں حضرت امام حسنؑ کے حامی رہے انہیں امیر معاویہ نے لالچ دیا اور ایک خط لکھا[1] جس میں حضرت عثمانؓ کی شہادت اور اسمیں حضرت علیؑ کی شرکت کا اظہار کیا۔ قیسؓ بن سعد کی حمایت حاصل کرنے کے لئے یہ بھی لکھا۔

"فتح یابی کی صورت میں تم کو عراق کی حکومت
دی جائے گی اور تمہارے خاندان میں جس کو تم کہو گے
اس کو حجاز کی ولایت سپرد کی جائے گی۔"

جناب قیس بن سعدؓ نے پہلے تو انہیں لکھا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں نہ وہ خود ملوث تھے نہ حضرت علیؑ اس میں ذمہ دار تھے۔ مصالحت کے بارے میں انہوں نے بات گول مول رکھی۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون حصہ اول مترجم احمد حسین عثمانی ص۵۱۲ نفیس اکیڈمی کراچی

تو امیر معاویہ نے انہیں ایک دھمکی آمیز خط لکھ ڈالا جس کے جواب میں قیس بن سعدؓ نے جو خط لکھا وہ ابن خلدون حصہ اول کے مترجم حکیم احمد حسین عثمانی نے صفحہ ۵۱۳ پر تاریخ کامل ابن اثیر کے حوالہ سے لکھا ہے۔

"مجھے تعجب ہے کہ تو مجھے فریب دینا چاہتا ہے اور تو مجھ سے یہ امید رکھتا ہے کہ میں تیرے دامِ تزویر میں آجاؤنگا۔ اور تو مجھے اپنی کوششوں سے شکست دے دے گا۔ کیا تو مجھ سے امید رکھتا ہے کہ میں اس شخص کی اطاعت سے نکل جاؤں جو امارت کے لئے بہترین اور زیادہ سچ کہنے والا ہے۔ اور راہِ حق کا بہت بڑا ہادی ہے اور از روئے تعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ قریب ہے۔ تو مجھے اپنی اطاعت میں داخل ہونے کا حکم دیتا ہے، کس کی اطاعت؟ جو اس امر میں لوگوں سے بعید تر ہے اور بہت بڑا مکّار اور بہت بڑا گمراہ ہے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے از روئے قرابت اور تعلق کے بہت بعید ہے۔ گمراہ اور گمراہ کرنے والے کا لڑکا ہے ایک طاغوت طواغیت ابلیس سے ہے۔ اور تیرا یہ کہنا کہ تو مصر کو پیادوں اور سواروں سے بھر دینے والا ہے پس واللہ اگر میں نے تجھ کو ایسا مصروف نہ کر دیا کہ تجھے جان کے لالے پڑ جائیں تو یہ سمجھنا کہ تو بڑا خوش نصیب ہے۔

امیر معاویہ قیس بن سعدؓ کے اس خط سے ہکّا بکّا رہ گئے۔ قیس بن سعدؓ نے انہیں بہت مطعون کیا۔ اور سخت ترین الفاظ میں دھمکیاں دیں۔ یہ دیکھ کر معاویہ سٹ پٹا گئے۔ اب انہوں نے اس خط کے متن کو ایک جعلی خط سے بدل دیا۔

اور لوگوں میں یہ مشہور کر دیا کہ قیس بن سعد سے ان کے تعلقات بہت اچھے ہیں۔ طبری نے بھی اس واقعے کو اسی طور سے پیش کیا ہے طبری خلافت علیؓ مترجم حبیب الرحمن صدیقی صفحہ ۲۱۴ سے ۲۱۸ تک کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے)

امیر معاویہ نے ایک موقع پر زیاد بن حفصہ کو بھی لالچ دیا اور کہا[۱]

"کوفہ اور بصرہ دونوں شہروں میں سے جس کو پسند کرو گے میں اُس کا تم کو والی بنا دوں گا۔"

جناب زیاد بن حفصہ نے کہا کہ وہ گنہگاروں کی معاونت نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ امیر معاویہ نے کہا[۲]

"میں علیؓ کے ہمراہیوں میں سے جس سے کچھ بات کہتا ہوں وہ ایک ہی جواب دیتا ہے گویا ان سب کا دل ایک ہی ہے"۔

جناب امیر معاویہ اور ان کے مشیرِ خاص عمرو بن العاص نے لوگوں کو رشوت اور لالچ کے ذریعہ خریدنے کی مہم جاری رکھی ان کے اس لالچ میں بہت سے لوگ آ گئے مگر بہت سے صاحبانِ استقامت ایسے تھے انہیں شامی حکمران نہ خرید سکے مگر ان کی جانب سے یہ مہم جاری رہی۔ یہاں کہ جنگ صفین کے بعد تحکیم کے موقع پر ابوموسیٰ اشعری کو بھی لالچ دیا گیا۔ جب حکمین مقام اذرح میں جمع ہوئے تو امیر معاویہ کے نمائندہ عمرو بن العاص نے ان سے گفتگو کرتے ہوئے اپنی حکومت کی پالیسیوں سے انہیں متفق کرنے کے لئے گفتگو کی اور سلسلۂ گفتگو میں کہا[۳]

"اگر تم میری رائے سے موافقت کرو گے اور معاویہ کو کرسی پر متمکن کرو گے تو جس شہر کی حکومت تم پسند کرو گے فوراً دلا دی جائے گی۔"

---

[۱] تاریخ ابن خلدون حصہ اول احمد حسین عثمانی صفحہ ۵۲۱ نفیس اکیڈمی کراچی
[۲] " " " " " ۵۲۲ " " "
[۳] " " " " " ۵۳۷ " " "

حضرت امیر معاویہ تقصاص عثمانؓ کے نعرہ پر اہل شام کو متحد کرنے میں کامیاب ہو گئے انہوں نے غیر جانب دار اکابرین کو اس پلیٹ فارم پر بلانے کی سعی کی۔ حضرت علیؓ کے حامیوں کو قتل عثمان کے سانحہ میں علیؓ کی شرکت ثابت کر کے اپنے ساتھ ملایا۔ اسی بنیاد پر جنگ صفین لڑی جس میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا، مگر وہی ہوا جو حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت محمد بن مسلم کا کہنا تھا۔ یہ سب انہوں نے صرف علیؓ کے خلاف محاذ آرائی کے لئے کہا تھا کیونکہ جب تحکیم کا موقع آیا تو شرائط صلح میں تقصاص عثمانؓ کا تذکرہ نہیں تھا۔ جنگ صفین میں مسعودی کے مطابق ۹۰ ہزار شامی اور ۲۰ ہزار عراقی قتل ہوئے تھے، امیر معاویہ نے اتنی بڑی تعداد میں اپنے فوجیوں کو جس آگ میں جھونکا تھا۔ وہ نعرہ تقصاص عثمانؓ کی بنیاد پر لڑی گئی تھی۔ مگر معاہدہ تحکیم حضرت عثمانؓ کے ذکر سے خالی ہے۔ معاہدہ تحکیم کی عبارت یہ ہے۔ ؎

> یہ وہ معاہدہ ہے جو علیؓ ابن ابی طالبؓ اور معاویہ بن ابی سفیان نے باہم کیا۔ حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ اہل عراق اور ان لوگوں پر نافذ ہوگا۔ جو لوگ ان کی جماعت میں سے یا عام مومنین میں سے ان کے ساتھ ہیں اور معاویہ کا یہ معاہدہ اہل شام اور ان لوگوں پر نافذ ہوگا جو معاویہ کے ساتھ ہیں، ہم اللہ عزوجل کی کتاب میں از اول تا آخر جو کچھ موجود ہے اس پر عمل کریں گے جس شے کے احیاء کا یہ کتاب حکم دیتی ہے اُسے رائج کریں گے اور جس شے کے ختم کرنے کا حکم دیتی ہے اسے ختم کریں گے۔

دونوں حکم یعنی ابوموسیٰ الاشعری اور عمرو بن العاص کی کتاب اللہ میں جو حکم پائیں گے اس پر عمل پیرا ہوں گے۔ اور اگر اس معاملہ میں کتاب اللہ

؎ طبری۔ خلافت علیؓ مترجم حبیب الرحمن صدیقی صفحہ ۳۱۳ نفیس اکیڈیمی کراچی

میں یہ دونوں کوئی حکم نہ پائیں تو اس سنت پر عمل پیرا ہوں گے جو عدل و انصاف پر مبنی ہوگی۔ اور جس پر سب کا اتفاق ہوگا اور کسی کو اس سے اختلاف نہ ہوگا۔

ہر دو حکم علیؓ اور معاویہ اور ان کے لشکروں سے عہد و پیمان لیں گے اور اسی طرح دیگر معتبر لوگوں سے بھی کہ ان دونوں کے جان و مال محفوظ رہیں گے اور جو کچھ یہ فیصلہ کریں گے اس پر تمام امت انکی معاون اور مددگار ہوگی اور دونوں فریقین کے نام پر اللہ کے نام پر یہ عہد لازم ہوگا کہ جو کچھ اس معاہدہ میں تحریر ہے وہ ہمیں قبول ہے اور میں نے ان دونوں حکموں کا فیصلہ تمام مسلمانوں پر لازم کر دیا ہے یہ سب لوگ ہتھیار اتار کر رکھ دیں گے۔ اور سب لوگ مامون ہوں گے جہاں چاہیں وہ جائیں ان کے جان و مال اور اہل و عیال محفوظ رہیں گے موجودہ اور غائب سب لوگ مامون ہوں گے اور عبداللہ بن قیس اور عمرو بن العاص پر اللہ کا یہ عہد و میثاق ہوگا کہ وہ اس امت کا فیصلہ کر دیں اور انہیں دوبارہ جنگ اور اختلاف میں مبتلا نہ کریں یہ دوسری شے ہے کہ کوئی ان کا فیصلہ قبول نہ کرے، اس فیصلہ کی مدت رمضان تک ہوگی، اگر دونوں حکم اس مدت کو بڑھانا چاہیں تو باہمی رضامندی سے بڑھا سکتے ہیں، اگر دونوں حکموں میں سے کسی حکم کا انتقال ہو جائے تو امیر اس کی جگہ دوسرا حکم مقرر کرے گا اور وہ شخص اہلِ عدل و انصاف میں سے مقرر کیا جائے اور ان دونوں کے فیصلے کا مقام جس میں فیصلہ کریں گے وہ جگہ ہوگی جو کوفہ اور شام کے درمیان واقع ہے۔ یہ دونوں حکم فیصلہ پر جن لوگوں کی گواہی لینا چاہیں لے سکتے

ہیں۔ اور اُن کی شہادت وہ اس فیصلہ پر تحریر کریں گے۔ اور یہ گواہ اس فیصلہ کی ان لوگوں کے مقابلہ میں حمایت کریں گے۔ جو اسے مٹانا چاہیں یا اس کی مخالفت کریں، اے اللہ ہم تجھ سے اس شخص کے مقابلہ میں امداد طلب کرتے ہیں جو اس فیصلہ کو چھوڑ دے۔"

تحکیم کے اس معاہدے میں بھولے سے بھی سانحہ عثمانؓ کا ذکر نہیں ہے اسی پر بس نہیں جب دونوں حکم اذرح میں جمع ہوئے تو ابتداً تو عمرو بن العاص نے بہت سی باتیں کیں، مثلاً مختلف نام خلافت کے لئے پیش کئے جس میں اپنے لڑکے کا نام بھی شامل تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فضائل بیان کئے حضرت عثمانؓ کے سانحے کا بھی ذکر کیا۔ مگر جب معاہدہ کا اعلان ہوا تو اس میں حضرت عثمانؓ کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر اپنے فریق کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے امیر معاویہ کو باہمی گفت وشنید کے برخلاف معزول نہیں کیا۔ اس خلافت پر برقرار رکھنے کا اعلان کیا۔ صرف اتنا اضافہ کیا کہ وہ مظلوم خلیفہ عثمانؓ کی قائم مقامی کا حق رکھتے ہیں [۱]

اس حتمی اعلان میں قصاص عثمانؓ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس طرح قصاص عثمانؓ کے نعرہ سے امیر معاویہ نے سلطنت حاصل کر لی۔ اور پھر ملوکیت میں تبدیل کر دیا۔[۲]

ایک بار حضرت عثمان کی صاحبزادی نے امیر معاویہ سے کہا "تم نے میرے باپ کا بدلہ لینے کا خیال چھوڑ دیا۔ اور حکومت

---

[۱] تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص ۵۳۹ نفیس اکیڈمی کراچی

[۲] یہ حوالہ جس کتاب سے لیا گیا ہے وہ فی الوقت یاد نہیں تاہم الحسینؓ از عمر ابوالنصر ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی صفحہ ۳۰ سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

حاصل ہوتے ہی اپنی زبان بند کرلی۔

امیر معاویہ نے جواب دیا۔

"لوگوں نے میری اطاعت قبول کرلی۔ میں نے امن دیا اس وقت تم یہ غنیمت جانو کہ امیر المومنین عثمانؓ کی بیٹی اور امیر المومنین امیر معاویہ کی بھتیجی کہلاتی ہو۔ اگر میں تمھاری خاطر سے طلب قصاص کے لئے معاملات بدلوں اور معاملہ دگرگوں ہو کر حکومت میرے ہاتھوں سے نکل جائے تو اس وقت تم ایک معمولی عورت رہ جاؤگی۔

جناب امیر معاویہ قصاص عثمان کی طلب میں کس حد تک وفادار تھے اس کے لئے جناب نائلہ کا ایک خط ملتا ہے جس میں انہوں نے محصور رہنے کے دوران امیر معاویہ کو زجرو توبیخ کی ہے وہ اس پر حیران ہیں کہ خلیفہ وقت محصور ہے مگر ان کے لئے امداد فراہم کئے جانے سے گریز کیا جارہا ہے وہ اس پر سخت حیران ہیں کہ امیر معاویہ سارے معاملات سے واقف ہونے کے باوجود خاموشی سے حالات کا نظارہ کیوں کررہے ہیں۔ انہوں نے براہ راست امیر معاویہ کو ایک خط لکھا اور اس میں یہی سوال اٹھایا ہے [1]

آج امیر المومنین کے خلاف بغاوت برپا ہے اگر عثمانؓ کا پر آپ پر کوئی حق بجز دولت کے نہیں بھی بنتا تب بھی یہ اس مسلمان کا جو ان کی امامت کا خواہاں ہے یہ فرض ہے کہ وہ ان کی مدد کرے۔ پھر آخر ایسا کیوں نہیں ہورہا۔

---

[1] حضرت عثمان غنی عباس محمود العقاد مترجم عبدالرشید ندوی صفحہ ۱۱۱ نفیس اکیڈمی

تشدد اور لوگوں کی خرید و فروخت

اذرح کا وہ اہم اجلاس شعبان ۳۸ ہجری میں ہوا جس میں مورخین کے مطابق ابو موسیٰ الاشعری اپنی سادگی کی وجہ سے عمرو بن العاص سے مات کھا گئے۔ اور انہوں نے اپنی فریق علیؑ کو معزول کر دیا۔ جبکہ عمرو بن العاص نے امیر معاویہ کو خلافت سونپ دی۔ ابو موسیٰ الاشعری کو خلیفہ کی معزولی یا برقراری کا حق نہیں تھا۔ تاہم ان سے دانستہ یا نادانستہ ایسا عمل سرزد ہو گیا جو حضرت علیؑ کے خلاف چلا گیا۔ لیکن ہونا یہی تھا کیونکہ ابو موسیٰ الاشعری علیؑ یا مخلصان علیؑ کی مرضی کے نمائندہ نہیں تھے۔ انہیں تو ایک شر پسند طبقہ نے جو خوارج کہلاتا ہے، علیؑ کا نمائندہ بنا دیا تھا۔ اس لئے ابو موسیٰ الاشعری اس موقف کی تکمیل کر رہے تھے جو علیؑ سے علیحدگی اختیار کرنے والے عناصر کا موقف تھا۔ علیؑ سے علیحدہ ہونے والوں کے نزدیک علیؑ کی اطاعت فسخ ہو گئی تھی۔ اس لئے علیؑ کی خلافت کو منسوخ ہونا ہی تھا۔ یہی فریضہ ابو موسیٰ الاشعری نے انجام دیا۔

[1] اہل شام نے اپنی طرف سے عمرو بن العاص کو منتخب کیا۔ اشعث اور ان لوگوں نے جو بعد کو خارجی ہو گئے تھے ابو موسیٰ الاشعری کو منتخب کیا۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون حصہ اول مترجم حکیم احمد حسین عثمانی، صفحہ ۵۳۱ نفیس اکیڈمی کراچی

امیر المومنین حضرت علیؑ نے ارشاد کیا میں اس انتخاب سے راضی نہیں ہوں"۔

ابنِ خلدون کے مطابق حضرت علیؑ نے عبداللہ بن عباسؓ کو اپنا نمائندہ بنانے کا ارادہ کیا۔ اس پر وہ خارجی عناصر رشتہ داری کی بناء پر راضی نہیں ہوئے۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ ابو موسیٰ الاشعری کی وفاداریاں انہیں مشکوک نظر آتی ہیں مگر جب خارجی عنصر ابو موسیٰ الاشعری پر مصر ہوئے تو انہوں نے کہا کہ جو سمجھ میں آئے وہ کرو اور یوں ابو موسیٰ الاشعری بزم خود علیؑ کے نمائندہ ہو گئے تھے وہ علی کی نمائندگی نہیں کر رہے تھے بلکہ علیؑ سے منحرف ہونے والے عناصر کے نمائندہ تھے جو غالباً اپنے سابقہ مفادات کی وجہ سے یا امیر معاویہ کے دکھلائے گئے سبز باغ میں آگئے تھے اس لئے انہوں نے حکم بننے کے بعد علیؑ کے استحقاق کو نظر انداز کر دیا انہیں اور امیر معاویہ کو ایک سطح پر رکھ دیا۔ حالانکہ علیؑ کو مصر، یمن، حجاز اور خراسان میں خلیفہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ صرف ایک صوبائی عامل امیر معاویہ بغاوت پر کمربستہ تھے ابو موسیٰ الاشعری نے ایک تسلیم شدہ خلیفہ کو ایک باغی امیر کے مساوی قرار دیا۔ خود ابو موسیٰ الاشعری علیؑ کو مستحقِ خلافت نہیں سمجھتے تھے اپنے ذاتی عقیدہ اور ان لوگوں کے نظریات کے مطابق جن کے کہنے پر وہ علیؑ کی نمائندگی کر رہے تھے۔ ابو موسیٰ الاشعری نے وہی کیا جو اس وقت ان کو کرنا تھا۔

اذرح کانفرنس میں حضرت علیؑ کو معزول کر دیا گیا تھا اور امیر معاویہ کو حضرت عثمانؓ کا قائمقام یعنی کل اسلامی حکومت کا خلیفہ بنا لیا گیا تھا۔ لیکن اس فیصلہ کی کوئی حیثیت نہیں تھی اس لئے علیؑ اور اہلِ عراق نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ جو علاقے حضرت علیؑ کی خلافت کے قائل تھے قائل ہی رہے جناب اشعری کی خود ساختہ نمائندگی محدود اور مہمل قرار پاتی ہے۔ اذرح کانفرنس سے صرف اس قدر کیا کہ حضرت امیر معاویہ کو خود مختاری حاصل ہو گئی، اب وہ مرکز کے تحت نہیں رہے بلکہ ایک

علیحدہ حکومت کے مالک ہو گئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دو متوازی مسلم مملکتیں وجود میں آگئیں اور اس اصول کی بناء پڑ گئی کہ ایک وقت میں کئی مسلم ریاستیں اور حکومتیں قائم ہو سکتی ہیں۔ اس نظریے کی بنیاد امیر معاویہ نے ۳۸ ہجری میں ڈالی اس کے بعد مسلم ریاست کا تصور عملی طور سے ناقابل عمل ہو گیا، خلافت بہ اعتبار اسلامی مملکت ختم ہو گئی یہی وہ مرکز تھا جس کی خاطر حضرت علیؓ نے خلافت اوّل ہی سے مرکز سے اختلاف نہیں کیا تھا ورنہ وہ متوازی حکومت قائم کرنے کے قابل تھے۔

اذرح کانفرنس کے بعد دو مسلم ریاستیں وجود میں آگئیں۔ شام میں کلی طور سے حضرت امیر معاویہ کا اقتدار تسلیم کر لیا گیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کو وقت نے مہلت نہیں دی، ورنہ وہ شام کے اقتدار کو تلوار کے ذریعہ ختم کر دیتے۔

اذرح کانفرنس کے بعد حضرت علیؓ کو تقریباً ڈیڑھ سال کی زندگی میسر ہوئی۔ اور امیر معاویہ بائیس سال تک زندہ رہے امیر معاویہ اور حضرت امام حسنؓ کے درمیان معاہدہ امن ۴۱ ہجری میں ہوا، امام حسن کی شہادت ۵۰ ہجری میں ہوئی۔ اس معاہدہ امن کے بعد امام حسن تقریباً دس برس زندہ رہ سکے اور امیر معاویہ کو مزید دس سال نصیب ہوئے، جناب امیر معاویہ نے اس عرصہ میں جو کچھ کیا وہ ایک پس منظر اور پیش منظر کا حامل ہے۔ جناب امیر معاویہ شام میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہ بیٹھے انہوں سلطنت کو وسعت دینے کے لئے جنگی مہمات اور سرحدی جھڑپیں جاری رکھیں انھوں نے اپنے سپہ سالاروں کو حکم دیا کہ وہ حضرت علیؓ کے علاقوں پر چھاپے ماریں اور عوام کو امن و امان سے نہ رہنے دیں۔ اب مسلمان صرف اس لئے اپنے مسلمان بھائیوں کے حملے کا شکار ہونے لگے کہ وہ حضرت علیؓ کے دائرہ اقتدار میں رہتے ہیں۔ امیر معاویہ کے لشکروں نے علیؓ کے علاقوں پر چھاپے مارنے شروع

کر دیتے۔ اور جب علیؓ کی فوج ان کا تعاقب کرتی تو یہ بھاگ جاتے۔ امیر معاویہ نے اپنے مسلمان لشکر سے کلمہ گویوں کو ہراساں کرنے کا کام لینا شروع کر دیا۔

امیر معاویہ نے مصر کی زرخیزی اور شادابی کے پیشِ نظر اس سمت نگاہ کی اپنے مشیروں اور ماہرینِ جنگ سے مشاورت کی۔ پہلے مصر میں اپنے ہم خیال لوگوں کو خطوط لکھے، انہیں چپکے چپکے منظم کیا۔ ان کو ترغیبات فراہم کیں انہیں قبائلی تعصبات کی آگ سے مشتعل کیا۔

"معاویہ بولے فوج کشی سے پہلے ہم ہوا خواہانِ عثمانؓ بن عفان سے خط و کتابت کر کے انہیں اپنا آہنگ بنائیں۔"[1]

امیر معاویہ نے یہی کیا۔ انہوں نے حضرت علیؓ کے مقرر کردہ گورنر جناب مالکِ اشتر کو زہر دلوا دیا۔ امیر معاویہ نے ایک ذمی افسر خراج کو[2] ترغیب دی کہ اگر وہ جناب مالک اشتر کو زہر دے دیگا تو اس کا خراج معاف کر دیا جائے گا۔ اس ذمی نے اس لالچ میں آ کر جناب مالکِ اشتر کو زہر دے دیا۔ ایک غیر مسلم شخص کو ایک مسلمان کے خلاف استعمال کرنے کی ترکیب بھی سب سے پہلے حضرتِ امیر معاویہ نے انتہائی خوش اسلوبی سے استعمال کی۔ اس سے قبل مسلمان ان باتوں کو ناپسند کرتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تھے تو انھوں نے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا تھا کہ ان کا قاتل مسلمان نہیں ہے۔

امیر معاویہ نے مصر کو کسی مضبوط شخص کی امارت سے بچانے کے ساتھ ساتھ وہاں کے عثمانی حضرات کو اپنا ہم نوا بنانے اور انہیں حضرت علیؓ کے خلاف استعمال کرنے کے لئے خط و کتابت شروع کی۔ انہوں نے مخالفین حضرت علیؓ مسلم

---

[1] تاریخ ابنِ خلدون حصہ اول مترجم حکیم احمد حسین عثمانی صفحہ ۵۴۶ نفیس اکیڈیمی کراچی

[2] طبری خلافت علیؓ مترجم حبیب الرحمٰن صدیقی صفحہ ۳۷۲ نفیس اکیڈیمی کراچی

بن مخلد انصاری اور معاویہ بن مدیج کو خطوط لکھے۔ ان خطوط میں قصاص عثمانؓ کا تذکرہ تھا۔ حالانکہ تحکیم کے وقت اس مسئلہ کا کوئی ذکر معاہدہ میں نہیں کیا گیا۔ ان دونوں کو شریک حکومت ہونے کا لالچ دیا گیا تھا اور فوجی امداد فراہم کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا وہ دونوں حضرت علیؑ کی دشمنی میں امیر معاویہ کی امداد سے بہت خوش ہوئے۔ اس وقت جناب محمد بن ابی بکر گورنر تھے۔ امیر معاویہ کے خط کی عبارت کا ایک اہم حصہ یہ تھا[1]

"اللہ کے دوستوں کی مدد میں جلدی کرو، جہاں تک دنیا اور حکومت کا تعلق ہے اس میں تم دونوں ہمارے شریک کار رہو گے اور جو شے تم پسند کرو گے۔ وہ تمہیں دی جائے گی اور تمہارے فیصلے کے مطابق تمہارا پورا پورا حق دیا جائے گا تم اپنے دشمنوں کے مقابلے پر ثابت قدم رہو اور ساتھیوں کو بھی ثابت قدم رہنے کی تلقین کرو اور پشت پھیرنے والے کو اپنی حفاظت اور اپنے خیالات کی دعوت دو، عنقریب تمہاری مدد کیلئے لشکر روانہ کر دیا جائے گا۔"

امیر معاویہ کے خط کا جو جواب آیا وہ اہلِ شام کی امیدوں کے عین مطابق تھا، خط بڑا جذباتی تھا، اس میں مکمل تعاون کی یقین دہانی تھی اور آخر میں لکھا ہوا تھا[2]

"آپ فوراً اپنے سوار اور پیدل فوج روانہ کیجئے۔"

---

[1] طبری خلافت علی مترجم حبیب الرحمٰن صدیقی صفحہ ۳۷۸

[2] طبری خلافت علی مترجم حبیب الرحمٰن صدیقی صفحہ ۳۷۹

امیر معاویہ نے عمرو بن العاص کی سربراہی میں لشکر روانہ کر دیا۔ اس موقع پر امیر معاویہ اور عمرو بن العاص نے محمد بن ابی بکر کو سرزنش اور دھمکی کے خطوط لکھے، جس کے جواب میں جناب محمد بن ابی بکر نے بھی سخت اور دُرشت خط لکھے، ۳۸ ہجری میں یہ حملہ ہوا، جناب محمد بن ابی بکر کو شکست ہوئی، جناب محمد بن ابی بکر کو سخت پیاسے ہونے کے باوجود پانی نہیں دیا گیا۔ آخر انھیں گدھے کی کھال میں لپیٹ کر آگ میں جلا دیا[۱]۔ یہ خبر جب اہلِ شام کو پہنچی تو وہ بہت مسرور اور خوش ہوئے۔ وہ خوشی میں پھولے نہیں سماتے تھے۔

جناب امیر معاویہ نے مصر پر کامیابی حاصل کر لی تو در اصل انھیں اس سمت سے بالکل اطمینان حاصل ہو گیا۔ وہاں عمرو بن العاص کو سرفراز کیا گیا۔ اب امیر معاویہ نے حضرت علیؑ کے علاقوں پر چھاپے مارنے کی مہمات کا آغاز کیا۔ اس کا مقصد اپنی فوج کو مصروف رکھنا، اسے مال و دولت لوٹنے کی ترغیب دینا، اور حضرت علیؑ کی رعایا کو ہر وقت تشویش میں مبتلا رکھنا تھا۔ یہ چھاپہ مار دستے جو لوٹ مار کرتے تھے، وہ اُن کا استحقاق سمجھا جاتا تھا۔ یہ چھاپہ مار دستے نہ شہروں کی حُرمت دیکھتے تھے، نہ انھیں لوگوں کی عزت و ناموس کا پاس تھا۔ یہ سفّاک فوجی اصحابِ رسولؐ کے گھروں میں گھس جاتے تھے، اصحابِ رسولؐ کے گھر لوٹ لیتے تھے، ان کے بچّوں کو قتل کر دیتے، امیر معاویہ نے انھیں ایک اصول کے تحت حملہ کرنے کا حکم دیا تھا وہ یہ کہ حامیانِ علیؑ کو چین نہ لینے دو، حامیانِ علیؑ کا مال و دولت اور خون انھوں نے یعنی امیر معاویہ نے اپنے لشکریوں کے لئے مُباح قرار دے دیا تھا۔

---

[۱] طبری۔ خلافت علیؑ مترجم حبیب الرحمٰن صدیقی صفحہ ۳۸۵ نفیس اکیڈمی کراچی

امیر معاویہ نے ۳۹ ہجری کو حامیانِ علیؑ پر تشدد کرنے اور انھیں ہر وقت خوف و ہراس میں مبتلا کرنے لئے وقف کر دیا۔

نعمان بن بشیر کو امیر معاویہ نے دو ہزار کا لشکر دے کر عین التمر بھیجا تاکہ لوٹ مار کی جائے۔

امیر معاویہ نے سفیان ابن عوف غامدی کو بلا کر کہا کہ وہ حملہ کرے کیونکہ یہ حملے اہل عراق کو تشویش میں مبتلا کر دیں گے انہوں نے اسے حکم دیا کہ وہ ہیت جائے وہاں سے انبار کا رخ کرے۔ اسے حکم دیا گیا کہ وہ راستے میں جس گاؤں سے گزرے اسے لوٹ لے۔ کیونکہ مال چھینا قتل سے زیادہ دردناک ہے۔

عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو سترہ سو سپاہیوں کے ساتھ تیما کی جانب روانہ کیا گیا تاکہ لوٹ مار کی جاسکے اُسے مکہ اور مدینہ میں بھی قتل و غارت گری کی اجازت دی گئی۔

ضحاک بن قیس کو امیر معاویہ نے لشکر دیکر روانہ کیا اسے حکم دیا گیا کہ واقصہ کے نشیبی علاقوں میں جتنے ایسے دیہاتی نظر آئیں جو علیؑ کے مطیع ہوں انہیں لوٹ لو، ضحاک جدھر سے گزرتا، علیؑ کے حامیوں کو قتل کر دیتا اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیتا۔[1]

امیر معاویہ نے بسر بن ابی رطاۃ کو تین ہزار کے لشکر کے ساتھ حجاز روانہ کیا (طبری خلافت علیؑ صفحہ ۲۸۰) وہ مدینہ منورہ پہنچا اور خوف و ہراس کی فضا پیدا کر دی حتیٰ کہ مدینہ کے علوی گورنر حضرت ابو ایوب انصاری کو فرار ہونا پڑا۔ بسر بن ارطاۃ نے امان یافتہ شہر رسولؐ کے باشندوں کو دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

"اے اہل مدینہ اگر معاویہ نے مجھ سے عہد نہ لیا ہوتا تو میں مدینہ کے ایک ایک بالغ کو قتل کر ڈالتا۔"

---

[1] طبری، خلافت علی مترجم حبیب الرحمن صدیقی نفیس اکیڈمی، کراچی

اس کے بعد بسر نے یمن کا رُخ کیا۔ اس نے حضرت عبداللہ کے دو چھوٹے بچوں کو بھی قتل کر دیا۔ جب اسے اطلاع ملی کہ حضرت علی کا ایک لشکر اس کی سرکوبی کے آ رہا ہے تو وہ سر پہ پیر رکھ کر بھاگ گیا۔ اس کا مقصد تو لوگوں کو خوف وہراس میں مُبتلا کرنا اور حامیانِ علیؑ کا قتل عام تھا۔

عبداللہ ابن عباس کے دو چھوٹے بچوں کو بلاقصور ذبح کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا مگر بسر بن ارطاۃ کی ظالم طبیعت سے سب کچھ ممکن تھا، بچوں کی ماں اس صدمہ سے دیوانی ہو گئی، ایک کنانی عورت اس ظلم پہ چیخ پڑی کہ

بچے تو عہدِ جاہلیت میں بھی نہیں مارے جاتے تھے"!

بسر بن ارطاۃ کا اللہ نے وہی انجام کیا جو ظالم اور سفاک لوگوں کا ہوتا ہے وہ بڑھاپے میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ مسعودی کے مطابق چمڑے کی مشک ہوا سے بھر کر اس کے سامنے رکھ دی جاتی تھی۔ وہ ہر وقت اس پر تلواریں مارتا رہتا تھا اور اسی عالم میں انتہائی ناقابلِ بیان حالت میں جہنم رسید ہوا۔

امیر معاویہ کے چھاپہ مار دستے علیؑ کے سرحدی علاقوں اور دارالخلافہ سے دُور کے علاقوں پر حملہ کرتے، لوٹ مار لوگوں کو قتل کرتے اور جب انھیں علیؑ کے لشکر کے آنے کی اطلاع ملتی تو وہ لوٹ جاتے اور اپنے پیچھے خوف، اندیشہ اور غمناک فضا چھوڑ جاتے۔

امیر معاویہ کی یہ پالیسی جاری تھی کہ حضرت علیؑ شہید کر دیئے گئے، اس کے بعد جب امام حسنؑ سے معاہدۂ امن ہو گیا۔ اور ساری مسلم دنیا امیر معاویہ کے زیر اقتدار آ گئی، تب بھی امیر معاویہ کی علیؑ دشمن پالیسیوں میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

امیر معاویہ نے حضرت علیؑ کے فضائل بیان کرنے پہ پابندی عائد کر دی ان لوگوں کی گواہیاں ناقابلِ اعتبار قرار دے دیں جو حضرت علیؑ کے حامی اور

محب تھے۔ اُن کے وظائف بند کرکے ان میں معاشی بدحالی میں مبتلا کر دیا گیا۔ حامیانِ علیؑ کو جلا وطن کیا جانے لگا۔ ایک اندازے کے مطابق ستّر ہزار حامیانِ علیؑ کو نقلِ مکانی کرکے دُور دراز علاقوں میں سکونت اختیار کرنا پڑی۔

حضرت امام حسن نے معاہدۂ امن کیا مگر اس معاہدۂ امن کی کوئی پاسداری امیر معاویہ کی جانب سے نہیں کی گئی۔ حامیانِ علی کو مختلف طریقوں سے اذیتیں دی گئیں۔ جو لوگ امیر معاویہ کی سیاست کے قائل نہیں تھے امیر معاویہ انہیں رعایت دینے کے عادی نہیں تھے وہ اپنے مخالفین کو اس حد تک زچ کر دیتے تھے کہ لوگ مخالفت کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے تھے، ان کے آہنی شکنجہ سے محفوظ رہنے کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت تھی، جب وہ دیکھتے تھے کہ تشدّد سے کام نہیں چلتا تو پھر تھیلیوں کے منہ کھول دیئے جاتے تھے غرض جناب امیر معاویہ کی سیاست سے محفوظ رہنے کے لئے حوصلے کے ساتھ ساتھ دل کا غنی ہونا بھی ضروری تھا اور ایسے لوگ اس معاشرہ میں بہت کم رہ گئے تھے۔

حضرت علیؑ کے ایک پُرجوش حامی جناب حجر بن عدی تھے وہ کوفہ میں مقیم تھے امیر معاویہ نے اپنے گورنر مغیرہ ابنِ شعبہ کو خصوصی ہدایات دی تھیں کہ وہ حضرت علیؑ کو گالیاں دینے اور مذمّت کرنے میں تساہل نہ برتیں۔[1] مغیرہ بن شعبہ نے اس بات پر عمل کرنا کبھی ترک نہیں کیا۔ مسجد میں حجر بن عدی بھی ہوتے تھے اور ہمیشہ حضرت علیؑ کی حمایت بلند آواز سے کرتے۔

جب مغیرہ بن شعبہ کے مرنے کے بعد زیاد بن ابیہ حاکم ہوا تو اس نے ان کے خلاف سختی کی اور بہت سے الزامات ان پر لگا کر امیر معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ ان کے مزید ہم خیال لوگ بھی قیدی بنا کر روانہ کیے گئے۔ امیر معاویہ

نے اپنے فرستادہ کو ہدایت کی کہ اگر یہ لوگ حضرت علیؑ پر لعنت بھیجیں تو چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیا جائے، ان میں سے چھ افراد نے حضرت علیؑ پر تبرا کرنے سے انکار کر دیا۔ ان میں حجر بن عدیؓ سر فہرست تھے۔

حضرت حجر بن عدی نے آخری وقت جو وصیت کی اس میں ان کی عظمت عقیدہ اور امیر معاویہ سے نفرت نظر آتی ہے۔ (تاریخ طبری حصہ چہارم صفحہ ۱۰۲)

"میں اسی حالت میں معاویہ سے پل صراط پر ملوں گا"

جناب حجر ابن عدی کے اس قتل پر جناب عبداللہ ابن عمرؓ اور اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سخت غیض و غضب کا اظہار کیا۔

عبدالرحمٰن غزی حضرت علیؑ کے ایک حامی تھے انہیں امیر معاویہ نے اپنے خود ساختہ بھائی اور کوفہ کے گورنر زیاد ابن ابیہ کے پاس سخت سزا دینے کے لئے بھیجا۔ زیاد نے انھیں زمین میں زندہ ہی گاڑ دیا[1]

مخالفین کو تشدد سے خاموش کرنے کی یہ دو مثالیں اس عہد کی عکاسی کے لئے کافی ہیں، یقیناً اس وقت لوگ علی کا حامی کہلانے سے بہتر ہی سمجھتے ہوں گے کہ وہ کافر کہلوا لیں، کیونکہ کفار کو تو امان تھی مگر محبانِ علیؑ کو پناہ نہیں تھی ان کو خاموش رکھنے کے لئے تشدد کا ہر حربہ آزمایا جاتا رہا۔ حتیٰ کہ زندہ در گور کرنا اسی زمانے میں دیکھا گیا۔ جو لوگ تشدد کے باوجود باز نہیں آتے تھے۔ انہیں مال و دولت سے خریدا جاتا تھا۔ مثلاً مالک بن ہبیرہ نے امیر معاویہ کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ کرنا چاہا تو امیر معاویہ نے ایک لاکھ درہم ان کے پاس بھیج کر راضی کر لیا[2]۔

---

[1] طبری حصہ چہارم صفحہ ۹۹ مترجم حیدر علی طباطبائی نفیس اکیڈیمی کراچی

[2] " " " ۱۳۲ " " "

امیر معاویہ کے پاس اپنے احکامات کی تعمیل کے لئے روپیہ پیسے کے علاوہ سفاک اور ظالم افراد بھی تھے۔ مثلاً سمرہ بن جندب کی مثال ہے[1]

"سمرہ کو زیاد اپنا جانشین بنا کے کوفہ چلا آیا، جب وہ واپس گیا تو سمرہ آٹھ ہزار آدمیوں کو قتل کر چکا تھا۔"

"اس نے ایک دن میں صبح کے وقت ۴۷ آدمیوں کو قتل کیا۔ وہ سب کے سب جامع القرآن تھے۔"

سمرہ نے یہ سب بصرہ میں کیا تھا۔ حالانکہ بصرہ بنیادی طور سے عثمانی علاقہ تھا۔ اور اسی وجہ سے طلحہ و زبیر نے جنگ جمل کے وقت اسی شہر کو اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ سمرہ کہتا تھا[2]

"جب تم لوگ یہ سنا کرو کہ ہم سوار ہوئے تو ہماری برچھیوں سے حذر کیا کرو۔"

سمرہ بن جندب نے ہمدان کی مسلمان عورتوں کو بازاروں میں فروخت کر دیا۔ (یہ روایت استیعاب کے حوالے سے لی گئی ہے)

امیر معاویہ لوگوں کو تشدد کے بعد دولت کے ذریعہ خریدنا چاہتے تھے، اس کا مظاہرہ انہوں نے یزید کو جانشینی کے وقت کیا، جب کہ انہوں نے مختلف اکابرین کو درہم و دینار کی تھیلیاں بھیجیں۔

---

[1] حصہ چہارم مترجم حیدر علی طباطبائی صفحہ ۱۲۳ - ۸۸

جنگ بندی کے اسباب

امام حسنؑ جب تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو اس وقت عالمِ اسلام کی سیاسی، سماجی صورتحال غیر مستحکم تھی، مسلمان دو نمایاں اور علیحدہ ریاستوں میں تقسیم تھے ایک سمت مملکتِ شام تھی اور دوسری خلافتِ حسنؓ ۔ ملوکیت اور خلافت دونوں مضبوط تھیں اور تصادم کے دہانے پر کھڑی ہوئی تھیں ۔ خوارج ایک اندرونی خطرے کی حیثیت سے منظر عام پر آ چکے تھے۔ ابتداً تو یہ حضرت علیؓ کے خلاف ایک محاذ کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن وہ رفتہ رفتہ مملکتِ شام یعنی امیر معاویہ کے اقتدار کیلئے بھی خطرہ بن گئے تھے۔ رُومی سلطنت سے بھی خطرے کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وسائل پر ایک مخصوص ٹولے کی بالادستی کے اثرات نمایاں ہونے لگے تھے۔ اور معاشی عدم مساوات نے عوام کی زندگی کو اجیرن بنا کے رکھ دیا تھا۔

[1] خوارج سب سے پہلے اس وقت منظر عام پر آئے جب جنگِ صفین کے بعد

---

[1] خوارج کے سلسلے میں جو حقائق زیرِ بحث آئے ہیں ان کے لئے عمر ابُو النصر کی تصنیف "خوارج" مترجمہ رئیس احمد جعفری سے مدد لی گئی ہے۔

مسئلہ تحکیم سامنے آیا۔ معاملہ تحکیم تک نہ پہنچتا۔ حضرت علیؓ کے لشکر نے اہل شام کو ہزیمت سے ہمکنار کر دیا تھا۔ اور حضرت علیؓ کی جنگی حکمت علمی اور دلیری نے امیر معاویہ اور ان کے سپہ سالاروں کو شکست سے دوچار کر ہی ڈالا تھا کہ عمرو بن العاص نے ایک حیلے کے ذریعے شام کے شکست خوردہ لشکر کو مہلت امن دلوادی۔ عمرو بن العاص کے کہنے پر شامی لشکر نے قرآن نیزے پر بلند کیا۔ حضرت علیؓ نے بار بار کہا کہ قرآن کو نیزوں پر بلند کرنیوالے نہ صاحب ایمان ہیں نہ عامل قرآن ہیں۔ یہ شر بہ لوگ ہیں اور قرآن کو محض مکر و فریب کے لئے درمیان میں لائے ہیں۔

مگر عمرو بن العاص کی ترکیب کارگر ہو گئی تھی۔ تحکیم کے لئے حضرت علیؓ کی نمائندگی کا مسئلہ بھی نزاعی بن گیا۔ حضرت علیؓ ابوموسیٰ الاشعری کی وفاداریوں سے مطمئن نہیں تھے۔ کیونکہ جنگ جمل کے موقع پر ابوموسیٰ الاشعری نے لوگوں کو علیؓ کی حمایت سے روکنے میں اہم کردار ادا کیا تھا مگر علیؓ سے برگشتہ ہونے والے افراد نے ابوموسیٰ الاشعری کو ہی نمائندہ بنادیا۔ اور جب تحکیم کے لئے حتمی اجلاس ہوا تو اس میں عمرو بن العاص اور ابوموسیٰ الاشعری نے اس مسئلہ کو چھیڑ دیا۔ جس کے لئے وہ حکم نامزد ہی نہیں ہوئے خود اہل شام کو حضرت علیؓ کی خلافت سے انکار نہیں تھا۔ وہ تو حضرت عثمانؓ کے قصاص کی طلبی کیلئے نبرد آزما ہوئے تھے مگر صاحبان تحکیم نے قصاص عثمانؓ کے معاملہ کو قطعاً ترک کر دیا اور خلافت پر کون فائز ہو اور کون فائز نہ ہو جیسے غیر متعلقہ امور پر گفتگو کرنے اور فیصلہ دینے لگے۔ حالانکہ اس کا استحقاق دونوں حکم میں سے کسی کو نہیں تھا اور نہ عمرو بن العاص یا ابوموسیٰ الاشعری اس کے مجاز تھے کہ کسی کو معزول کریں یا برقرار رکھیں خلیفہ بنانے کا یہ طریقہ بالکل انوکھا تھا حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافتیں بھی کسی غیر متعلق یا انفرادی رائے پر قائم

نہیں ہوتی تھی۔ مگر عمرو بن العاص ابو موسیٰ الاشعری ایک منطق نکال لائے ابو موسیٰ الاشعری نے ایک متفق علیہ خلیفہ علیؓ کو اپنی صوابدید پر معزول کر دیا اور عمرو بن العاص نے اپنی ذاتی پسند پر ایک صوبہ کے گورنر کو جو نہ انصاری تھا نہ مہاجر، خلیفہ نامزد کر دیا۔

تحکیم کے اس واقعہ سے امیر معاویہ اور اُن کے مشیر خاص عمرو بن العاص کی اصل نیت کا اندازہ ہو گیا تو اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے درمیان ایک متشدد طبقہ بھی وجود میں آ گیا جو خود کو خوارج کہلاتا تھا یعنی خروج کرنے والے۔ یہ خود کو مسلمین اوّل کے نقش قدم پر چلنے والا گردانتے تھے۔ حضرت علیؓ نے ان منحرفین کو دلیل سے سمجھانے کی کوشش کی پھر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ مگر خوارج عام مسلمانوں پر بے وجہ تشدد کرنے لگے۔ انھوں نے ایک صحابی رسولؐ عبداللہ ابن خباب اور ان کی زوجہ کو قتل کر دیا۔ اور حضرت علیؓ کے ایک فرستادہ کو بھی قتل کر دیا تو حضرت علیؓ نے ان کے خلاف فوج کشی کو اولیت دی۔ انھیں امان کا موقع دیا گیا مگر وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے حتیٰ کہ خوارج کا ایک سردار ابو مریم دار الخلافہ کوفہ کو تباہ کرنے کے لئے چڑھ دوڑا۔ نہروان کی جنگ میں خوارج کا زور ٹوٹ گیا۔ مگر وہ ختم نہ ہوئے حضرت علیؓ ایک خارجی عبدالرحمٰن ابن ملجم کے ہاتھوں اکیس رمضان ۴۰ھ کو شہید ہو گئے۔

خوارج کسی ایک جگہ محدود نہیں تھے وہ بصرہ میں بھی مستحکم ہو گئے۔ انھوں نے مختلف علاقوں میں اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیا۔ ان میں عرب اور غیر عرب سب قسم کے لوگ شامل تھے یہ دیندار بھی تھے اور تلوار کے دھنی بھی، مرنا اور مارنا انکے نزدیک یکساں تھا ان کی بڑی تعداد نو مسلموں پر مشتمل تھی اس لئے یہ کہنا بجا ہو گا کہ ان کی اسلامی تربیت ناقص تھی انہوں نے جسے دین سمجھ رکھا تھا وہ دین کے لبادے میں کچھ اور تھا۔ ان خوارج کے نزدیک صحیح اور سچے مسلمان صرف وہی تھے۔ انھوں نے عام مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا تھا۔

امام حسن علیہ السلام جب خلافت پر متمکن ہوتے تھے خوارج کا فتنہ موجود تھا۔ یہ دیوانے ہر قسم کے اعتدال سے آگے نکل چکے تھے۔ حضرت علیؑ نے بھی شام سے جنگ کو محض خوارج سے نمٹنے کی خاطر موخر کردیا تھا۔ امام حسنؑ کو اس فتنہ کے مضمرات اور مستقبل پر اس کے منفی اثرات کا بخوبی اندازہ تھا ان کے لئے بھی ضروری تھا کہ وہ پہلے خارجی ذہنیت کی بیخ کنی کریں۔ مگر وہ دیکھ رہے تھے کہ بہت سی وجوہ کی بنا پر ان کے وسائل محدود ہوچکے ہیں۔ یہ دیکھتے ہوئے امام حسنؑ نے یہی مناسب سمجھا کہ جنگ بندی یا امن کا سمجھوتہ کرلیا جائے تاکہ خوارج کا یہ فتنہ دو مملکتوں یعنی دمشق اور کوفہ کے باہمی تصادم سے فائدہ اٹھاکر اسلامی روح کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اسلام کے لئے یہ دل سوزی اور تڑپ امام حسنؑ ہی کو زیب دیتی تھی۔

خوارج کی سرکشی کو دمشق اور کوفہ کا باہمی مصالحت نامہ بھی قابو میں نہ کرسکا۔ اگر خوارج کو یہ موقع ملتا رہتا کہ وہ کوفہ اور دمشق کے باہمی تصادم سے فائدہ اٹھاتے رہتے تو ظاہر ہے کہ صورتحال بہت بدتر ہوجاتی، امام حسنؑ کی بصیرت نے خوارج کے ارادے بھانپ لئے تھے۔

خوارج کا ایک گروہ امیر معاویہ کے خلاف میدان جنگ میں کود پڑا۔ اس کی قیادت کا سہرا ایک شخص حوثرہ بن وداع کے سر باندھا گیا، امیر معاویہ نے اس کے باپ کو بھیجا کہ وہ اپنے بیٹے کو سمجھائے حوثرہ کا باپ مزید اثر ڈالنے کے لئے حوثرہ کے بیٹے کو بھی ساتھ لے گیا اور اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

"اپنے ساتھ تمہارے بیٹے کو بھی لیتا آیا ہوں تاکہ تمھیں پتہ چلے کہ اولاد کا فراق برداشت کرلینا آسان نہیں ہوگا۔"

حوثرہ نے جواب دیا۔

"کافروں کے ہاتھ سے نیزے کا گھاؤ کھانا میرے
لئے کہیں مرغوب اور پسندیدہ ہے بہ نسبت اپنے
بیٹے کے دیدار اور اشتیاق کے"۔

امیر معاویہ نے اس جانباز گروہ کے لئے ایک بڑا لشکر روانہ کیا تب کہیں جا کر وہ لوگ قتل کئے جا سکے۔

خوارج عجیب وغریب لوگ تھے۔ وہ امیر معاویہ اور ان کے مفادات کیلئے بھی خطرناک ہوتے چلے گئے۔ وہ جس نہج پر سوچتے تھے اس میں رحم اور رحمدلی کا کوئی پہلو نہیں تھا۔ انہوں نے بنی امیہ کے سخت مزاج والیوں کو بھی پریشان کر دیا۔ زیاد بن ابیہ جیسا متشدد شخص بھی انھیں خوف زدہ نہ کر سکا۔ وہ ایک جگہ پسپا ہونے تو دوسری جگہ مقابلے پر آمادہ ہو جاتے وہ آسانی سے قابو میں نہیں آتے تھے اس لئے انہیں دھوکے سے قتل کیا جاتا تھا۔ ایک بار خوارج نے دورانِ جنگ نماز کے لئے مہلت مانگی زیاد کے سپہ سالاروں نے انھیں امان دے دی۔ اور جب انھوں نے نماز کے لئے اسلحہ اتار رکھ دیا تو حالتِ نماز میں انھیں قتل کر دیا گیا۔

ایک خارجی سردار عروہ کو زیاد نے گرفتار کیا اور اس سے حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علیؓ کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے دونوں کو کافر قرار دے دیا۔ امیر معاویہ اور زیاد کو مغلظات سنائیں۔ زیاد نے اسے قتل کر دیا۔ عروہ کے غلام نے زیاد کو بتایا کہ عروہ دن کو کبھی کھانا نہیں کھاتا تھا، اور رات کو کبھی بستر پر نہیں سوتا تھا۔ یعنی صائم النہار اور قائم اللیل تھا۔

خوارج کے نزدیک طلحہؓ، زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ مطعون شخصیتیں تھیں وہ غیر خارجی کے ساتھ نماز پڑھنا، ذبیحہ کھانا، شادی کرنا ناجائز قرار دیتے تھے۔ وہ غیر خارجیوں کو کافر قرار دیتے تھے اور اسلام یا تلوار کا فیصلہ قرار دیتے تھے یعنی وہ اسلام قبول

کرلیں۔ وہ عام مسلمانوں کی دو عملی کا مذاق بھی اڑاتے تھے۔ ایک بار وہ مہلب سے برسرِ پیکار
تھے انہوں نے مہلب کے لشکریوں سے مصعب بن زبیر کے بارے میں رائے دریافت
کی، لشکر نے انھیں امامِ ہدیٰ قرار دیا۔ خوارج نے مروان بن حکم کے بارے میں پوچھا تو
لشکر نے اسے گمراہ اور گمراہ کرنے والا کہا چند دن بعد مصعب قتل کردیئے گئے اور
اہلِ عراق نے عبدالملک بن مروان کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔ خوارج نے لشکریوں سے اب بھی
ابنِ مروان کے بارے میں دریافت کیا تو وہ اسے امامِ ہدیٰ کہنے لگے۔

خوارج کہنے لگے۔

اے دشمنانِ خدا کل تک وہ گمراہ اور گمراہ کن تھا آج
امامِ ہدیٰ بن گیا۔ تم دنیا کے بندے ہو تم پہ خدا کی لعنت!

یہ تھے خوارج جو جنگِ صفین کے بعد منظرِ عام پر آتے انہوں نے مذہب اور ریاست
کی عجیب وغریب تاویلات کیں۔ اگر امام حسنؑ جنگ بندی نہ کرتے تو دو صورتیں ہوتیں
یا تو یہ سینکڑوں خوارج تہہ تیغ ہوتے اس سے بھی امیر معاویہ کی طاقت مضبوط ہو
اور وہ مصر کی طرح کوفہ پر چڑھائی کردیتے اور اُن کے سفاک سپہ سالار امام حسنؑ اور ان کے رفقا
کے ساتھ وہی سلوک کرتے جو خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے جناب محمد بن
ابی بکرؓ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ انہوں نے خلیفہ کے بیٹے اور حضرت عائشہؓ ام المومنین
کے بھائی کے ساتھ رعایت نہیں برتی تھی تو وہ امام حسنؑ سے کیا رعایت کرتے؟ کیونکہ ان
تو ان کا براہِ راست تصادم تھا اور اس میں قدیم اموی اور ہاشمی رقابت بھی کارفرما تھی
جنگِ بدر میں اموی سرداروں کے قتل کا بدلہ بھی شامل تھا جسے حضرت عثمانؓ کے قتل
قصاص کا لبادہ پہنا دیا گیا۔

امام حسنؑ خلیفہ بنے تو مقابلے پر شامی ملوکیت بھی مستحکم ہو چکی تھی۔ دونوں طرف
کے وفاداران حکومت ایک دوسرے کی جان کے دشمن تھے امیر معاویہ کے حامیوں

مسلمانوں کے خون کا کوئی احترام نہ تھا۔ جنگ صفین میں انہوں نے ساٹھ ہزار شامیوں کو تلوار کی نذر کر دیا تھا۔ اور وہ اس پر پھر آمادہ تھے۔ ان تصادم کے نتائج میں عام اور غریب مسلمان ہی تہہ تیغ ہوتا تھا، امام حسن ملاحظہ کر رہے تھے کہ امیر معاویہ اور ان کے رفقاء نے ایسا نظام رائج کر لیا تھا جس کے نتیجے میں وہ اپنے آرام دہ خیموں میں رہتے تھے اور عام شامی مسلمان قتل ہوتا تھا۔ اب تک تو حکمرانِ شام اپنے فوجیوں کو قصاصِ عثمانؓ کی طلبی پر لڑاتے آئے تھے مگر وہ معاملہ تحکیم کے وقت زیرِ بحث نہیں آیا تھا۔ ایک طرح امیرانِ شام نے تصادم کے اس سبب کو ترک کر دیا تھا۔ امام حسنؑ ملاحظہ کر رہے کر رہے تھے کہ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امیرانِ شام کے پاس قصاصِ عثمانؓ پر جنگ کرنے کا جواز نہیں رہا تھا لیکن وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ شامی حکمران امیر معاویہ سارے عالمِ اسلام پر حکومت قائم کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہیں۔ یقیناً اب وہ جنگ کے لئے مزید جواز تلاش کرنے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کیلئے نئی راہیں تلاش کر لیتے۔ امیر معاویہ نے گزشتہ برسوں میں جو اقدامات کئے تھے ان سے متبرک شہروں کی حرمت متاثر ہوئی تھی، اصحابِ رسولؐ کا احترام مسترد ہوا تھا۔ عام مسلمانوں کی جان و مال کو نقصان پہنچا تھا۔ معاشرہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے محترم ہونے والے اشخاص اور مقامات کی حرمت کو نقصان پہنچا تھا یہ ایسی صورتحال تھی کہ اگر اس کا سدِّ باب نہ کیا جاتا تو آہستہ آہستہ اسلامی شعائر بھی مجروح ہونے لگتے اور مخالف امام حسنؑ کی جنگی مہارت سے اس طرح واقف نہیں تھے جس طرح وہ حضرت علیؑ سے مرعوب رہ چکے تھے۔ کچھ اس لئے بھی امام حسنؑ اس معاملے کو تلوار سے نمٹانے کے حق میں نہیں تھے۔ انہیں اپنا کنٹرول قائم رکھنے کے لئے وقت درکار تھا اور وہ اس صورت میں مل سکتا تھا، جب جنگ بندی اور امن کا معاہدہ ہو جاتا۔ شامی سازشوں کا جال عراقی علاقوں تک پھیل گیا تھا، خفیہ خط و کتابت اور مال و زر

سے لالچ کے اثرات کہاں تک پہونچ چکے تھے، ان کا تجزیہ کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔
فروخت شدہ شہری اور فوجی کسی بھی وقت ساری حکمت عملی کا تارو پود بکھیر سکتے تھے
ایسی صورت میں خون خرابہ مسلمانوں کا ہوتا، امام حسنؑ نے دیکھا تھا کہ حضرت علی اپنے
پانچسالہ دورِ حکومت میں سابقہ حکومتوں کی پیدا کردہ خرابیوں پر قابو نہ پا سکے تھے لوگ
دنیا پرستی اور جاہ و منصب کی دوڑ میں مصروف تھے امام حسنؑ کے پاس صرف
ایک ذریعہ تھا جس سے سازشیں ٹوٹ سکتی تھیں اور مسلمانوں کا خون بہنے سے
بچ سکتا تھا۔ اور وہ تھا معاہدۂ امن۔

امام حسنؑ کی بیعت شام اور مصر کے علاوہ تمام اسلامی دنیا نے کرلی تھی
مگر شام اور مصر کی طاقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، ان کے اثرات اور
مفادات بیعت شدہ علاقوں میں بھی تھے اہلِ شام مال و دولت کے ذریعے چھوٹے
اور بڑے لوگوں کو خریدنے میں مصروف رہتے تھے وہ لوگوں کو اقتدار میں شرکت اور درہم
دینار کے لالچ بھی دیتے تھے۔ انہوں نے اپنے مقاصد کے حصول میں تمام انسانی اور
اسلامی اقدار کو پامال کر رکھا تھا۔ شامی مفادات کے نگران اپنے مقاصد کے لئے غیر مسلموں
سے معاہدۂ امن کر لیتے تھے اور اپنے ہی مسلمان بھائیوں پر تسلط حاصل کرنے کے لئے
انہیں رومی سلطنت سے کوئی امداد لینا بھی گوارا تھا۔ وہ ذمی افراد کو جزیہ
کی چھوٹ دینے پر بھی راضی ہو جاتے تھے ایسی صورتِ حال میں امام حسنؑ ان سے کیا امید
کر سکتے تھے بس یہی کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور اذیت دینے میں حدود
تجاوز کر جائیں گے، جو لوگ غیر مسلموں سے امداد طلب کر سکتے تھے وہ غیر مسلموں کو فوج
میں بھرتی کر کے محترم شہروں اور دار الخلافہ کوفہ پر یلغار بھی کروا سکتے تھے۔ امام حسنؑ
صورتحال میں کیا کرتے۔ جنگ ہوتی تو اس کے نتیجہ میں شامی مسلمان اپنے غیر مسلم حلیف
کے ہمراہ اسلامی مراکز پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ امام حسنؑ نے اس سیاسی صورتحا

کا تجزیہ کیا۔ اور اسلامی مراکز اور مسلم عقیدہ کے پیرو کاروں کے جان و مال و عزت و آبرو بچانے کے لئے ایک معاہدۂ امن کیا جس سے امیران شام کی دلی مراد بر آئی انہیں تشفی ہوگئی اور مسلمان اور اسلامی مراکز کو تحفظ حاصل ہو گیا۔

امام حسنؑ کے ساتھیوں کی حالت بہت ابتر تھی۔ وہ بغیر بیرونی مدد کے پانچ سال جمل، صفین اور نہروان کی جنگیں لڑ چکے تھے، ان کے ہاتھوں سے تلوار نیام میں نہیں جاتی تھی کہ پھر نکالنا پڑتی تھی۔ پھر سازشوں نے اُن کے باہمی اعتماد کو متزلزل کر دیا تھا مسلسل جنگ اور اندرونی خلفشار پر قابو پانے سے حامیان حسنؑ کے حوصلوں میں استحکام نہیں رہا تھا۔ پھر امام حسنؑ کے حامی یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ وہ عین حالت جنگ میں تنہا رہ جاتے ہیں۔ ان کے ہمراہ لڑنے والے جو وعدے اور معاہدے کر کے ان کے ہمراہ دشمن سے نبرد آزما ہوتے ہیں اچانک اپنا ضمیر اور اپنی تلوار دشمنوں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔

امام حسنؑ نے تجزیہ کیا کہ ان کا لشکر تین مسلسل جنگیں لڑنے کے بعد تھک گیا ہے اور کسی بڑی لڑائی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ آرام و سکون کے ایک بڑے وقفہ کے بعد ہی انھیں میدان جنگ میں اتارا جا سکتا تھا، وہ اکابرین نہیں رہے تھے جن سے اہل شام ڈرتے تھے، ایسے لوگ دُنیا سے گزر چکے تھے جن سے اہل عراق اور اہل شام آنکھیں لڑاتے ہوئے شرماتے تھے اب امام حسن کا لشکر تھکا ماندہ اور اہم سپہ سالاروں کے فقدان کا شکار تھا، حضرت عمار یاسرؓ حضرت محمد بن ابی بکرؓ، حضرت مالک اشترؓ جیسے دلیر اور بہادر افراد نہیں رہے تھے، قیس بن سعد اور چند مدبرین تھے جن سے جنگ اور دیگر میدانوں میں کام لینا ممکن نہیں تھا، ادھر سازش، دولت اور رشوت کا بازار گرم کر دیا گیا تھا۔ مخلصین کی تعداد کم تھی، فوج میں خوارج بھی تھے، مال غنیمت کے دلدادہ بھی اور ایسے لوگ بھی جو محض قبائلی تعصبات کی بنا پر آتے تھے ایسے

لشکر کو لڑانا بے فائدہ اور ضائع کرنے کے مترادف تھا، امام حسنؑ نے یہ مناسب سمجھا کہ اپنے ہمراہیوں کو ایک بے مقصد اور بے نتیجہ جنگ میں جھونک دیں۔ اپنے ہمراہیوں کو بچانے کیلئے امام حسنؑ کے پاس صرف ایک ہی باعزت ذریعہ تھا اور وہ تھا ایک معاہدہ امن یا عارضی طور پر مسلح جدوجہد کو ترک کر دینا۔

امام حسنؑ صاحب تدبر شخصیت کے حامل تھے ان کا مقصد حکومت اور اقتدار حاصل کرنا نہیں تھا وہ محدود مفادات کے حامل نہیں تھے، ان کا موقف اہل بیت رسولؐ کے ایک فرد کی حیثیت سے اسلامی عقیدہ اور اقدار کا تحفظ تھا، انہوں نے اس وقت جنگ کی بجائے امن کی پالیسی کو بہتر تصور کیا۔ اور اسے اپنالیا۔

امام حسن کی پالیسی کو حضرت علیؑ کی جنگی پالیسی یا امام حسینؑ کی نبرد آزمائی کے حوالے سے دیکھنا منطقی طور سے غلط ہے۔ ہر زمانہ کی پالیسیاں ضرورت زمانہ کے اعتبار سے وضع کی جاتی ہیں اور اس وقت کے صاحب اقتدار کو پالیسی وضع کرنے اور نافذ کرنے کا کلی طور پر اختیار ہوتا ہے، حضرت علیؑ نے اپنے عہد کے تناظر میں جنگ کی، امام حسنؑ نے جنگ بندی اختیار کی اور امام حسینؑ نے شہادت کا راستہ اختیار کیا۔ اس میں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان تینوں واقعات پر ایک ہی اصول نافذ کرے انہوں نے اپنے عہد میں جو صائب سمجھا اُسے اختیار کر لیا۔

امام حسنؑ نے حالات کا جائزہ لے کر جنگ بندی کو اپنے ساتھیوں اور عام مسلمانوں کے لئے باعث خیر سمجھا اور اپنے انصار کو آئندہ مقابلے کیلئے آسودگی کا ایک موقع فراہم کر دیا۔ آپؑ نے اپنے ایک محب حجر ابن عدی الکندی کو لکھا۔

ؔ[1] میں نے لوگوں میں سے اکثریت کو مصالحت
کے لئے آمادہ اور جنگ سے گریز کرتے دیکھا ہے

---

[1] انقلاب حسین شیخ محمد مہدی شمس الدین بحوالہ الطوال صفحہ ۲۲۸ مترجم محسن علی نجفی۔ جامعہ اہل بیت اسلام آباد

میں نہیں چاہتا کہ لوگوں کو مجبور کیا جائے، لہٰذا میں نے
معاویہ سے مصالحت کر لی تاکہ ہمارے ماننے والے
چند خاص لوگ قتل نہ ہو جائیں اور میں نے
مناسب سمجھا کہ جنگ کو کسی خاص وقت تک کے لئے
ملتوی کر دیا جائے کیونکہ اللہ کے پاس ہر دن کے
لئے ایک تقدیر مقرر ہے۔"

جناب امام حسنؑ نے جنگ بندی مناسب سمجھی مگر اسے ہمیشہ کے لئے صلح قرار دینا غلط ہے۔ خود امام حسنؑ نے فرمایا کہ انھوں نے جنگ کو ایک خاص وقت تک کے لئے ملتوی کر دیا تھا۔ امام حسن جنگ کو ملتوی اس لئے کرنا چاہتے تھے کہ ان کے رفقاء مقتول نہ ہوں۔ ایک بار امام نے فرمایا

[1] اگر میں دنیا یا طاقت و حکومت کے لئے کام
کرتا ہوں تو معاویہ مجھ سے طاقت ور اور با اثر ہرگز
نہیں تھا۔ میرا نظریہ کچھ اور ہے مصالحت کا
مقصد صرف مسلمانوں کی جان بچانا ہے۔"

امام حسنؑ نے اپنے محبوں کو آسودگی کا وقفہ مہیا کیا تو ان کو طالع آزما اور دنیا پرستوں کو بنی امیہ کے طرز حکومت سے براہ راست واقف ہونے کا موقع دیا۔ جو امام کیلئے مشکلات کا باعث بنتے تھے، خود بھی جنگ سے فرار چاہتے تھے اور امام حسن کے انصار میں بھی بے اطمینانی پھیلاتے تھے، انھیں دینی حکومت کی اقدار سے متعارف کرانے کے لئے ضروری تھا کہ وہ ملوکیت سے واقف ہوں

---

[1] انقلاب حسین شیخ محمد مہدی شمس الدین بحوالہ بلاذری صفحہ ۸۱ مترجم محسن علی نجفی جامعہ اہل بیت اسلام آباد

انہیں معلوم ہو کہ اسلامی طرزِ خلافت اور دُنیا کی ملوکیت میں عوام کا منصب کیا ہوتا ہے۔ بنی امیہ نے اسلامی خلافت کی جگہ لے لی تو اندازہ ہوا کہ ملوکیت میں انسان، انسان نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ ملوکیت کے مفادات کو تحفظ دینے کا ایک ہتھیار سمجھا جاتا ہے ملوکیت نے عوام کا استعمال کیا۔ انھیں اپنے ذاتی مفادات کے لئے جھگڑوں میں الجھا دیا۔ اہلِ عراق جس امن کے لئے امام حسنؓ کی جنگی کارروائیوں سے گریز کر رہے تھے انھیں وہ کبھی نہیں ملا۔

امام حسنؓ نے امیر معاویہ سے جو معاہدۂ امن کیا تھا وہ اس امر کا ثبوت نہیں ہے کہ اس میں امیر معاویہ کو برحق خلیفۂ وقت تسلیم کر لیا گیا ہو، معاہدہ امن کے بعد امام حسنؓ مدینہ روانہ ہو چکے تھے کہ امیر معاویہ کو اطلاع ملی کہ ایک خارجی سردار فروہ بن نوفل اشجعی کوفہ پر حملہ آور ہونے والا ہے امیر معاویہ نے امام حسن کو خط لکھا کہ وہ خارجی سردار کا مقابلہ کریں اور کوفہ کو بچائیں۔ امام حسنؓ نے اس کے جواب میں لکھا۔

> ؎۱ "اگر میں اہلِ قبلہ میں سے کسی سے جنگ کرنا چاہتا تو سب سے پہلے تم سے جنگ کرتا میں نے تمہیں امت کی بھلائی کے لئے چھوڑ دیا"

امام حسنؓ نے جنگ بندی کا راستہ امت کو خوں ریزی سے بچانے کے لئے اختیار کیا تھا۔ اگر امام حسنؓ ایسا نہ کرتے تو کوفہ اور دمشق آپس میں متصادم ہو جاتے اندرونی خلفشار رنگ لاتا۔ دونوں محاذ مضبوط اور مستحکم تھے۔ شدید خونریزی ہوتی

؎۱ گفتاری شورا ڈاکٹر ابراہیم آتی مترجم ایم۔ اے انصاری صفحہ ۲۲ جامعہ تعلیمات اسلامی کراچی

حضرت علیؓ کے زمانے میں امیر معاویہ شام کے گورنر تھے اسلئے ان کی وہ حیثیت نہیں تھی جو امام حسنؓ کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔ حضرت علیؓ کے زمانہ میں جنگِ صفین کے وقت امیر معاویہ ایک باغی عامل کی حیثیت سے مرکزِ خلافت سے نبرد آزما تھے اس لئے ان کی پوزیشن کمزور تھی مگر امام حسنؓ کے زمانے میں وہ ایک خود مختار اور متوازی حکومت کے مستحکم حکمران تھے۔ عالمِ اسلام میں دو موجود حکومتوں میں سے ایک حکومت کے کرتا دھرتا تھا۔ ان کا اثر و رسوخ امام حسنؓ کے علاقہ میں بھی تھا۔ جنگِ صفین میں تو انھیں صرف گورنری جانے کا خدشہ تھا، مگر اب بادشاہت کی حفاظت کرنا تھی اس لئے وہ ان کے مفادات سے متعلق ٹولہ پورے شدّ و مد سے مقابلہ کرتا اور خونریزی سے مسلم طاقت کمزور ہو جاتی اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے رومی سلطنت کو موقع مل جاتا امام حسنؓ کو اپنی خلافت سے زیادہ مسلمانوں کے اجتماعی مفادات کا خیال تھا اس لئے جنگ بندی کرنا ضروری تھا۔

امام حسنؓ نے جنگ بندی کا موقف اختیار کرکے بیرونی طاقتوں سے امتِ مسلمہ کو محفوظ کر دیا۔ اور اہلِ شام کو اہلِ عراق سے ملنے کے مواقع ملے۔ اس طرح اہلِ شام کو معلوم ہوا کہ اسلامی خلافت کی اقدار کیا تھیں اور یہ اہلِ شام جس استحصالی معاشرہ میں زندگی بسر کر رہے تھے وہ غیر اسلامی بنیادوں پر استوار کیا گیا تھا۔

معاہدہ امن کے بعد خلافت کے زیر اثر علاقوں کے باشندوں اور ملوکیت کے تحت پرورش پانے والے لوگوں کو ایک دوسرے سے میل ملاپ کا موقع آزادی سے ملا۔ اسلامی شعار پھیلے اور اہلِ شام جس خمل میں تھے اس سے باہر نکل سکے۔

معاہدۂ امن کی شرائط

معاہدہ امن دونوں فریقوں یعنی امام حسنؓ اور امیر معاویہ کی ضرورت تھی۔ امام حسنؓ کا اس سے مقصد امت کو خونریزی سے بچانا اور اپنے حامیوں کو ایسا آسودگی کا لمحہ مہیا کرنا تھا جس میں طاقت مجتمع ہو سکے اور حریف سے کسی اور میدان میں مقابلہ کیا جا سکے اس معاہدہ امن کے دیگر مقاصد اور اسباب بیان کئے جا چکے ہیں، مگر امام حسنؓ کا اپنے حلیفوں سے بار بار یہ کہنا کہ معاہدۂ امن خونریزی سے بچنے کے لئے کیا گیا ہے۔ اس معاہدۂ امن کی شرائط میں مصالحت ہے بیعت نہیں ہے۔ کسی تاریخ میں نہیں ہے کہ امام حسنؓ نے امیر معاویہ کی بیعت کی ہو۔ حکومت سے دستبرداری بقائے امن اور قیام سکون کے لئے تھی، سو اس میں امام حسنؓ کامیاب تھے۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ معاہدۂ امن دونوں فریقوں کی ضرورت بن گیا تھا۔ یہ امر تاریخی عوامل سے ثابت ہے۔ امام حسنؓ کا لشکر تین جنگیں لڑ کر تھک گیا تھا تو یہی صورتحال لشکر شام کی بھی تھی، جو نقصانات امام حسنؓ کے لشکر کو تین

جنگوں میں مجموعی طور سے ہوئے تھے، ان میں کہیں زیادہ جانی ضیاع لشکرِ شام کا ہو چکا تھا، اہلِ شام صفین میں اس قدر دیوالیہ ہو گئے تھے کہ وہ حیلوں بہانوں سے اپنی شکست کو فتح میں بدلنے لگے تھے۔ ان کی ہزیمت نے ان کی عقلوں کو اس درجہ حیران کر دیا تھا کہ وہ اپنے در پردہ ساتھیوں کے بھیجے ہوئے نمائندہ ابو موسیٰ الاشعری سے امورِ خلافت طے کر رہے تھے۔ یعنی ایک طرح آپس ہی میں معاملات طے کر رہے تھے اور اپنے عوام پر یہ ظاہر کر رہے تھے کہ تحکیم کا معاملہ علیؑ سے طے کیا جا رہا ہے۔ یہ سب حکمرانوں کا وہ حیلہ تھا جو اپنے تباہ شدہ لشکر کے لواحقین کو دیا جا رہا تھا۔ شام کے عوام یہ پوچھنے کا حق رکھتے تھے کہ اتنی بڑی تعداد میں شامی جوانوں کو قتل کرکے امیر معاویہ کو کیا ملا۔؟ عوام کے اس مطالبہ کو روکنے کے لئے امیرِ شام نے تحکیم کا معاملہ سامنے لا کھڑا کر دیا۔ تاکہ مقتولین کے لواحقین کو مطمئن کیا جا سکے کہ ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں کا خون رائیگاں نہیں گیا ہے — ورنہ ابو موسیٰ الاشعری کی نمائندگی کو حضرت علیؑ کی ذرّہ بھر تائید حاصل نہیں تھی، اور حامیانِ علی کی ذرّہ بھر تائید حاصل نہیں تھی، اور حامیان علیؑ اس تحکیم کے ڈرامہ سے لطف اندوز ہو رہے تھے، اس غیر نمائندہ اجلاس کے کسی فیصلے کو علیؑ یا حامیانِ علیؑ نے کوئی اہمیت نہیں دی ورنہ اس اجلاس کے مطابق تو حضرت علیؑ کو یک قلم خلافت سے معزول کر دیا گیا تھا۔ اگر یہ نمائندہ اجلاس ہوتا تو حضرت علیؑ اسکے فیصلوں کی پابندی ضرور کرتے، بہر حال جنگِ صفین میں بے شمار مقتولین کے خون سے شرمندگی مٹانے کیلئے تحکیم کا معاملہ امیر معاویہ کی سیاسی ضرورت تھا، جس سے انہوں نے اپنی فوج کی توجہ جانی نقصانات سے ہٹا کر تحکیم کی جانب پھیر دی اور نتیجہ میں جو انہیں خلافت کا پروانہ مل گیا وہ عمرو بن العاص کی حیلہ ساز طبیعت کا شاخسانہ تھا ورنہ ابتداء میں حکمرانِ شام نے یہ سوچا بھی نہیں تھا وہ تو اپنے

فوجیوں کو سیاسی معاملہ میں الجھا کر اس سوال کے جواب سے بچنا چاہتے تھے، جو اہلِ شام کے دلوں میں پیدا ہو گیا تھا کہ انہوں نے اس جنگ سے کیا حاصل کیا۔

اہلِ شام کا لشکر بھی انسان تھا وہ بھی گوشت پوست رکھتے تھے۔ ان کے بھی احساسات اور جذبات تھے وہ بھی اپنے اچھے بُرے کا شعور رکھتے تھے۔ ان کے بھی اہل و عیال تھے جو ان کے غم میں دل گرفتہ ہوتے تھے، یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ صفین کے میدان میں ہزاروں لاشیں چھوڑ کر ملول و غمگین نہ ہوتے وہ پسپا ہو رہے تھے، یعنی ان کے دل خوف زدہ تھے، ان کے دل پر علیؑ کے لشکر کا رعب چھا گیا تھا۔ عمرو بن عاص نے انھیں حیلے سے ایک امان کا موقع فراہم کر دیا تھا مگر مقابل کا خوف اور رعب اس طرح ختم نہیں ہوتا۔ پھر جنگ کی تھکن جلدی زائل نہیں ہو سکتی۔ یہ عقلی بات ہے کہ امیر معاویہ کا لشکر مرعوب پسپا اور نقصان زدہ لشکر تھا اُسے دوبارہ میدانِ جنگ میں لانا آسان کام نہیں تھا، اُدھر شام میں مطلق العنانیت تھی۔ فوجیوں کو بڑی بڑی تنخواہوں کے ذریعے لڑایا جاتا تھا اس لئے اُدھر زبانوں پر پابندی تھی۔ فوج کا غم سامنے نہیں آ سکتا تھا، شامی لشکر کرایے کے فوجی کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ شام کے معاشی نظام کے کچلے ہوئے افراد تھے، ان کے پاس وسائل روزگار نہیں تھے۔ حکمرانوں نے ان کی معاش جنگ میں لڑنے سے وابستہ کر دی تھی۔ وہ لڑ سکتے تھے یا بھوکے مر سکتے تھے اس لئے وہ بھوک پر جنگ کو ترجیح دینے کے عادی ہو چکے تھے کہ میدان میں تلوار چلائیں تو ان کو اور ان کے لواحقین کو روٹی کے ٹکڑے مل سکیں۔ امیرانِ شام نے اُن کی بہادریاں اور جانیں خرید لی تھیں۔ اس لئے انھیں اس پر احتجاج اور اظہار کا حق بھی نہیں تھا۔ وہ کوئی آسمانی مخلوق نہیں تھے اس لئے یہ سمجھنا کہ وہ صفین میں جانی نقصانات کے باوجود حوصلہ مند تھے ایک بے جواز امر ہوگا۔ بات صرف یہ ہے کہ اُنہیں بولنے کا حق نہیں تھا۔ وہ ایک

ایسے معاشی نظام میں جکڑ لئے گئے تھے کہ ان کا سردار ان کی قسمتوں کا مالک تھا اس میں ان کی مرضی نہیں بلکہ مجبوری شامل تھی۔

امام حسنؑ کا لشکر بھی تھک چکا تھا۔ اس لئے وہ تساہل کا اظہار کر رہا تھا۔ ادھر شام کا لشکر مرعوب ہونے کے باوجود فعال رہنے پر مجبور تھا وہ انکار کا حق نہیں رکھتا تھا مگر وہ اس وقت اظہارِ مسرت ضرور کرتا تھا جب اسے خطرے سے نجات ملتی نظر آتی تھی۔ حضرت محمد بن ابی بکرؓ کی شہادت پر اہلِ شام نے جس مسرت کا اظہار کیا اور ان کو جو خوشی ہوئی تھی اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اہلِ شام کو حضرت محمد بن ابی بکرؓ سے کوئی ذاتی پرخاش تھی۔ بلکہ وہ مصر کی جانب سے ممکنہ خطرہ کے ٹل جانے پر خوش ہوتے تھے۔ مصر اہلِ شام کے لئے سروں پر لٹکتی ہوئی تلوار کی حیثیت رکھتا تھا اور جب حضرت محمد بن ابی بکرؓ شہید ہو گئے تو اہلِ شام نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور اظہارِ مسرت کیا۔ یہ اظہارِ مسرت شہادت سے زیادہ اپنے ممکنہ سکون پر تھا۔

امام حسنؑ نے بیعت لینے کے بعد امیر معاویہ کو ایک خط[1] لکھا جس میں ان سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ امیر معاویہ نے اس خط کے جواب میں امام حسنؑ کے تدبرِ سیاسی کو اپنے سے کم تر قرار دیا۔ اور اس خط میں ایک جملہ لکھا جس کی وضاحت طٰہٰ حسین نے یہ کی ہے کہ امیر معاویہ کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح حضرت علیؑ کے فضائل کے باوجود حضرت ابوبکرؓ کو خلافت سونپی گئی اسی طرح امام حسنؑ کے فضائل کے باوجود امیر معاویہ بارِ خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ انہوں نے امام حسنؑ کو لکھا۔

"میرا اور آپؑ کا معاملہ قریب قریب ایسا ہی ہے جیسا کہ نبیؐ کی وفات کے بعد ابوبکرؓ اور آپؑ حضرات کا تھا۔

---

[1] علیؑ تاریخ و سیاست کی روشنی میں طٰہٰ حسین ترجمہ عبدالمجید نعمانی صفحہ ۲۹۶ نفیس اکیڈمی کراچی

امیر معاویہ نے اس کے ساتھ ہی امام حسنؑ کے رفقاء کو خفیہ طور سے خریدنے اور انہیں خوفزدہ کرنے کی پالیسی پر عمل شروع کر دیا جس کے نتیجے میں امام حسنؑ کے وہ رفقاء جو اپنے مفادات کو امام حسنؑ کے موقف سے متصادم دیکھ رہے تھے امیر معاویہ کو اپنی حمایت کا یقین دلانے لگے۔ طالع پرست عناصر سمجھ رہے تھے کہ حصولِ دنیا کے لئے جو سہولتیں شامی معاشرہ میں ہیں وہ امام حسنؑ کسی طور بھی فراہم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ اس طرح امام حسنؑ محسوس کرنے لگے کہ ان کے مخلصین منافقانہ سازشوں میں گھر چکے ہیں اس لئے انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ مخلصانِ اہلِ بیتؑ کے جان و مال کو پر امن فضا ضرور فراہم کریں گے۔

امیر معاویہ نے لشکر کی تھکن کو دیکھتے ہوئے امام حسنؑ کو دستبرداری کی صورت میں مراعات دینے کا وعدہ کیا۔ اگر امیر معاویہ کو اپنے لشکر کی پامردی کا یقین ہوتا تو وہ کبھی مصالحت کا راستہ اختیار نہ کرتے، ان کی مصالحت میں جلد بازی سے معلوم ہوتا ہے کہ لشکروں کی نقل و حرکت محض رعب ڈالنے کی ایک صورت تھی۔ امیر معاویہ نے اپنے دو قاصد عبداللہ ابن عامر اور عبدالرحمٰن بن سمرہ امام حسنؑ کے پاس روانہ کئے انہوں نے امام حسنؑ کو امیر معاویہ کا پیغام دیا کہ مصالحت میں امت اور سب فریقوں کی بہتری ہے امام حسن کے سامنے وہ خطوط اور فہرستیں پیش کی گئی جس سے امام کو یہ سمجھانا مقصود تھا کہ ان کے لشکر میں تفرقہ پڑ چکا ہے۔ پھر امیر معاویہ نے امام حسنؑ کو خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط حسنؑ بن علیؑ کے نام ہے۔ معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے۔ میں نے آپ سے اس شرط پر صلح کی ہے کہ میرے بعد آپ ولی عہد ہوں گے اور آپ کے لئے اللہ اور اس کے رسولؐ سے میں عہد کرتا ہوں۔[1]

---

[1] طٰہٰ حسین ترجم عبدالحمید نعمانی صفحہ ۲۹۸ نفیس اکیڈیمی کراچی

نہایت پختہ عہد کہ کسی فریب اور بدی کا خواہاں
نہیں ہوں گا۔ اور یہ کہ آپ کو سالانہ بیت المال
سے دس لاکھ درہم دوں گا اور لبسا اور داراب گرد
کے دونوں علاقوں کا خراج آپ کے لئے ہے۔ اپنے
عامل کو بھیج کر ان دونوں علاقوں کا جیسے چاہیں
انتظام کرلیں۔"

امیر معاویہ نے اس مکتوب میں امام حسنؑ کو تین پیشکشیں کیں، ولی عہدی
دس لاکھ درہم کا وظیفہ اور دو علاقے بطورِ جاگیر مگر بعد میں معاویہ اس
خط کے مندرجات سے منکر ہو گئے، انہوں نے اس خط سے انکار نہیں کیا۔ لیکن بعد
میں ہونے والے معاہدے کی رُو سے اس خط اور تمام مندرجات سے کو کالعدم قرار
دے دیا۔ اب جو بعض مورخین یہ کہتے ہیں کہ امام حسنؑ دس لاکھ درہم اور فارس
کی جاگیر کے خراج کی بنیاد پر تیار ہو گئے تھے وہ اسی خط کو پیشِ نظر رکھتے ہیں وہ یہ
بھول جاتے ہیں کہ امیر معاویہ نے خود اس خط کو کالعدم قرار دے دیا تھا۔ ایک کالعدم
تحریر کی بنیاد پر تاریخی امور پر گفتگو کا کوئی جواز نہیں ہے

امام حسنؑ نے امیر معاویہ کی دعوتِ مصالحت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا[۱]

"معاویہ مجھے ایسے امر کی دعوت دیتا ہے جس
میں نہ عزّت ہے اور نہ انصاف، اگر تمہیں
زندگی عزیز ہے تو معاویہ کی بات کو مان لیا
جائے لیکن یاد رکھو کہ یہ زندگی ذلّت ہو گی۔

۱۔ علامہ مجلسی

امیر معاویہ نے مصالحت کا پیغام دے کر ایک نئی سیاسی چال کا آغاز کیا تھا، اُنھیں اپنے پھیلائے ہوئے جال پر پُورا یقین تھا، انھوں نے عراقی لشکر کے ساتھ سازباز کر لی تھی۔ مصالحت کے اس پیغام کا مقصد اب خوں ریزی کا الزام امام حسنؑ کے سر لگانا تھا۔ اور یہ بھی کہ اگر امام حسنؑ کو خفیہ طریقے سے راستے سے ہٹانے میں کامیابی ہو جائے تو اس گروہ کے سر تھوپ دیا جائے جو مصالحت اور امن کا خواہاں ہو۔ یہ کہہ دیا جائے کہ امام حسنؑ کے وہ ساتھی جو امن و امان کے قائل تھے اور مسلمانوں کے درمیان قتل و غارت گری کو پسند نہیں کرتے تھے انہوں نے خود امام حسنؑ کو قتل کر دیا۔ امام حسنؑ اپنے چاروں طرف پھیلائے ہوئے رشوت اور سازش کے جال سے واقف ہو گئے تھے ان کا فریضہ تھا کہ وہ اپنے مخلصوں کے جان و مال کو محفوظ رکھنے کے اقدام کرتے انہوں نے تصادم کی بجائے اسی موقف کو اختیار کیا جو سنّت کے برخلاف نہیں تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سُنّت صلح حدیبیہ کی صورت میں امام حسنؑ کے سامنے تھی انہوں نے اس سنت پر عمل کرتے ہوئے مصالحت کی راہ اختیار کی مگر اس موقع پر امام حسنؑ کی جانب سے جو شرائط پیش کی گئیں ان میں کوئی شرط حصولِ زر، ملکیت، جاگیر اور مال و دولت کی نہیں تھی۔ یہ پیشکش تو امیر معاویہ نے کی تھی، امام حسنؑ نے جو شرائط پیش کیں وہ ایک طرح امیر معاویہ کی سیاست کی تردید کے مصداق تھیں ان میں سابقہ خلفاء کی پالیسیوں پر چلنے کا معاہدہ تھا جس میں امام حسنؑ نے بالواسطہ طور سے حضرت علیؑ کی خلافت تسلیم کرالی تھی۔ امیر معاویہ سے نامزدگی کا حق چھین لیا گیا تھا، کیونکہ امام حسنؑ دیکھ رہے تھے کہ امیر معاویہ قیصر و کسریٰ کے طریقوں پر چل رہے تھے جس میں اپنا جانشین نامزد کیا جاتا ہے۔ انصارانِ علیؑ کے جان و مال کا تحفظ طلب کیا گیا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام حسنؑ کو انصارانِ علیؑ سے کوئی شکایت نہیں تھی بلکہ وہ کوئی اور عناصر تھے جن سے امام حسنؑ کبیدہ خاطر تھے

مصالحت کی شرائط "صواعقِ محرقہ" کے مطابق یہ تھیں۔

- معاویہ حکومت میں اسلام، کتابِ خدا، سنّتِ رسولؐ اور صحیح راستے پر چلنے والے خلفائے راشدینؓ کے طریقہ پر عمل کرے گا۔
- معاویہ کو اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کرنے کا حق نہیں ہوگا۔
- شام، عراق، حجاز، یمن سب جگہ لوگوں کے لئے امان ہوگی۔
- حضرت علیؑ کے اصحاب و انصار جہاں بھی رہیں ان کے جان و مال ناموس و اولاد محفوظ رہیں گے۔
- معاویہ حسنؑ بن علیؑ اور اُن بھائی حسینؑ بن علیؑ اور خاندان رسولؐ میں سے کسی کو بھی نقصان پہنچانے یا ہلاک کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ نہ خفیہ طور پر نہ اعلانیہ، اور ان میں سے کسی کو کسی جگہ ڈرایا، دھمکایا اور دہشت میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔

علامہ ابنِ حجر مکی نے شرائط صلح میں بیان کی ہیں ان میں کہیں بھی بیت المال سے وظائف اور جاگیروں کے خراج کا تذکرہ نہیں تھے اس میں ایک اور شرط بھی کم ہے۔ وہ شرط کیا تھی اور اس میں کیوں نہیں ہے اس کا مطالعہ ہم آئندہ سطور میں کریں گے

ایک مشہور مؤرخ دینوری نے جو شرائط بیان کی ہیں ان میں تمام عراقیوں کو امن کی شرط کے ساتھ تین شرطیں مالی وظائف پر اور مال زر پر مبنی ہیں۔ یہ وہی پیشکش ہے جس کا اظہار امیر معاویہ نے امام حسنؑ کو ایک خط میں کیا تھا مگر پھر اسے کالعدم قرار دے تھا۔

امام حسنؑ نے ایک خصوصی پیش کش بھی کی تھی کہ، وہ تھی حضرت علیؑ کو سب و شتم

کرنے کی رسم کا امتناع۔ مگر امیر معاویہ اس پر راضی نہیں ہوئے تو امام حسنؑ نے کہا
کہ کم ازکم ان کے سامنے اس سے پرہیز کیا جائے۔ اس پر بھی عمل نہیں ہوا۔
مروان بن حکم[1] امام حسنؑ کی موجودگی میں حضرت علیؑ پر سب وشتم کرتا تھا۔
مغیرہ بن شعبہؓ کوفہ میں حضرت علیؑ کے محب حجر بن عدیؓ کے سامنے حضرت علیؑ
کی مذمت کرتے تھے یہ رسم حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ختم کی۔

حضرت علیؑ پر سب وشتم کا معاملہ کیونکہ امیر معاویہ نے تسلیم نہیں کیا تھا
اس لئے صواعق محرقہ کے مصنف نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے اور صرف ان ہی شرائط کو
بیان کیا ہے جن پر دونوں فریقوں میں اتفاق رائے ہوگیا تھا۔ اسی طرح وظائف اور
خراج کا معاملہ تھا وہ پیش کش بھی امیر معاویہ نے بعد میں پیش کی جانے والی شرائط تسلیم
کر کے کالعدم قرار دی تھی۔

معاہدۂ امن طے ہوگیا تو امیر معاویہ کوفہ آئے اور امام حسنؑ مدینہ روانہ
ہوگئے۔

امام حسنؑ نے تمام عمر اس معاہدہ امن کی پاسداری کی۔ ان کے مخلصین نے
اس معاہدہ پر اعتراضات بھی کئے۔ امام حسینؑ بھی اس معاہدہ سے خوش نہیں
تھے، مگر جب امام حسنؑ نے انہیں اور دیگر معترضین کو صورت حال بتائی تو
جان لیا کہ معاہدۂ امن اور اس کی پاسداری ضروری ہے۔ امام حسینؑ نے ان
کی شہادت (۵۰ ہجری) کے بعد مزید دس سال تک اس معاہدہ کی پاسداری
جو اس امر کا ثبوت ہے کہ امام حسینؑ نے امام حسنؑ کے موقف سے کلی موافقت
کرلی تھی۔ اس موضوع پر ان دونوں میں اور دیگر اکابرین بنی ہاشم میں اتفاق

---

[1] تاریخ طبری حصہ چہارم مترجم طباطبائی صفحہ ۹۹ نفیس اکیڈمی

بنی ہاشم دیکھ رہے تھے کہ بنی امیہ اُن کو اور ان کے محبوں ہر طرح نقصان پہنچانے کے در پے تھے۔

اس امر کا اندازہ اس بات سے ہو جاتا ہے کہ معاہدۂ امن کی حضرت علیؓ پر سب وشتم والی شرط امیر معاویہ ماننے کو ہرگز تیار نہیں تھے انہوں نے اپنے اعمال کو اس امر کی خصوصی ہدایات دی تھیں۔ معاہدۂ امن کے بعد پوری ملتِ اسلامیہ کی حکمرانی ان کو مل چکی تھی اور پھر حضرت علی اپنے مالکِ حقیقی سے مل چکے تھے اس لئے حضرت علیؓ کی ذات سے رنجش اور اس کے بے محابہ اظہار کا کوئی جواز نہیں تھا۔ امیر معاویہ کی حضرت علیؓ سے اس قدر کشیدگی کی وجہ یہ سمجھی جانے لگی ہے کہ امیر معاویہ حضرت علیؓ سے جنگِ بدر میں اپنے بزرگوں کے قتل کا بدلہ لینے کے خواہاں تھے۔

بسیرتِ ہشام اور ابن سعد کے مطابق عتبہ بن ربیعہ کو حضرت امیر حمزہ اور حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا شعبہ بن ربیعہ کو حضرت حمزہ نے قتل کیا تھا، ولید بن عتبہ حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوئے عقبہ بن ابی محیط بھی علی کے ہاتھ سے مارے گئے۔ عاص بن سعید بن عاص بھی حضرت علیؓ کی تلوار کا لقمہ بنے۔ عتبہ امیر معاویہ کا نانا، شیبہ والدہ امیر معاویہ کا چچا تھا، حنظلہ امیر معاویہ کا سگا بھائی، عاص امیر معاویہ کا چچا زاد بھائی اور عقبہ بھی چچا زاد بھائی تھا۔

جنگِ بدر میں امیر معاویہ کو جو خونی نقصان ہوا تھا، ایسا لگتا ہے کہ امیر معاویہ نے اسے نہیں بھلایا تھا اور اس کے بدلہ میں حضرت علیؓ کے سلسلے میں کسی نرمی کو اختیار کرنا اپنے قدیم قبائلی تعصب کے منافی سمجھ لیا تھا۔

امام حسنؑ نے تاہم معاہدہ کی پاسداری میں ساری عمر گزار دی شرفائے کوفہ کا ایک وفد سلیمان بن صرد کی قیادت میں امام حسنؑ کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے کہا۔

لہ "ہمیں ابھی تک تعجب ہے کہ آپ نے معاویہ سے صلح کیوں کی جب کہ آپ کی حمایت میں چالیس ہزار آدمی صرف کوفے کے لڑنے کے لئے موجود تھے اور ان کے ساتھ ان کے یار و فرزند بھی آپ کی حمایت میں لڑنے کے لئے آمادہ تھے۔ یہ سب اپنے گھروں میں بیکار بیٹھے تنخواہیں لیتے رہے تھے ان کے علاوہ بصرہ اور حجاز میں بھی بہت سے لوگ آپ کی ہمراہی میں لڑنے کے لئے تیار تھے اور پھر آپ نے مصالحت کرتے ہوئے نہ معاویہ سے کوئی وثیقہ لیا۔ نہ بیت المال سے کچھ حصہّ اپنے لئے مخصوص کرایا۔ اگر آپ معاویہ سے صلح کے وقت مختلف علاقوں کے اشراف کو گواہ بناتے یا معاویہ سے لکھوا لیتے کہ اس کے بعد خلافت آپ کا حق ہوگی تو آج ہمارے لئے کام آسان تھا۔ معاویہ نے بغیر کسی گواہ کے آپ سے کوئی وعدہ کرلیا۔ اور پھر اس نے اپنے وعدوں کو نہ صرف وفا نہیں کیا بلکہ برسرِ عام یہ بھی کہنا شروع کر دیا "جو وعدے میں نے کئے تھے اور عہد و پیمان میں نے کیا تھا وہ صرف جنگ اور فتنہ کو ختم کرنے کے لئے کیا تھا اب چونکہ اللہ نے ہمارے درمیان محبت و اتحاد پیدا کر دیا ہے اور ہمیں ہر قسم کے تفرقے سے محفوظ رکھا ہے تو وہ قرار دادیں اور وعدے میرے قدموں کے نیچے ہیں"۔ بقسم بخدا آپ نے معاویہ کے اس معاہدہ میں دھوکہ کھایا ہے اور اب اسے خود معاویہ نے توڑ دیا ہے

لہ انقلاب حسین شیخ مہدی شمس الدین مترجم محسن علی نجفی صفحہ ۴۴ مکتبہ جامعۃ اہلبیت اسلام آباد اور علی طہ حسین مترجم عبدالحمید نعمانی صفحہ ۵۰۴ نفیس اکیڈمی کراچی

اب اگر آپ چاہتے ہیں کہ جنگ دوبارہ شروع ہو جائے تو مجھے اجازت دیجیئے کہ میں آپ سے پہلے کوفہ جا کر وہاں سے معاویہ کے نمائندے کو نکال کر اسے برطرف کر دوں۔ اُس وقت آپ اُن سے مقابلے کے لئے نکل آیئے۔ خدا تو خائنوں کا دشمن ہے"؟

سلیمان بن صرد کی پیش کش بہت دلیرانہ تھی۔ اُن کے ایک ایک جملہ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ امام حسنؑ کے مخلصین سخت اضطراب میں تھے اور امام حسنؑ کے لئے دوبارہ جنگ پر آمادہ تھے۔ وہ امام حسنؑ کو حمایت کا یقین دلا رہے تھے" ان کے اس بیان سے امام حسنؑ کے بارے میں شک کا ازالہ بھی ہوتا ہے جس کے سلسلے میں آپؑ پر بیت المال اور وظائف کا ذکر کیا جاتا ہے۔ امام حسنؑ نے غیر مشروط حمایت کے جواب میں جو بیان دیا ہے وہ پاسداری معاہدۂ امن کا ثبوت ہے۔ امامؑ نے فرمایا

"آپ اللہ کی رضا اور مشیت پر راضی ہو جائیں اور معاملات اللہ کے سپرد کر دیں" آپ گھروں میں بیٹھ جائیں اور جنگ سے پرہیز کریں تاکہ صالح افراد امن و امان میں رہیں اور لوگ فاسق و فاجر لوگوں کے شر سے محفوظ رہیں۔"

امام حسنؑ نے اپنے مخلصوں کو یہی ہدایت کی کہ وہ معاہدۂ امن کی پاسداری کریں جنگ سے پرہیز کریں۔ جب لوگوں نے امام حسینؑ سے رابطہ کیا تو انھوں نے بھی یہی کہا۔

"جب تک معاویہ زندہ ہے، تمہیں اپنے گھروں سے نہیں نکلنا چاہیئے

امام حسنؑ کی جانب سے پاسداری کا یہ مظاہرہ تھا اور دوسری جانب امیر معاویہ نے کوفہ میں خطبہ دیتے ہوئے تمام وعدے وعید توڑنے اور شرائط پامال کرنے کا اعلان کیا انھوں نے کہا۔

لہ "کوفہ والو کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں نے تم سے اس لئے جنگ

لہ انقلاب حسینؑ شیخ محمد مہدی شمس الدین مترجم محسن علی نجفی صفحہ ۱۸۳ جامعہ اہلبیتؑ اسلام آباد

لڑی تھی کہ تم نماز پڑھو، حج کرو، زکوٰۃ دو، مجھے معلوم ہے کہ تم یہ امور انجام
دیتے ہو، میں نے تم سے اس لئے جنگ کی تھی کہ میں تم پر حکومت کروں۔
اور اب باوجود کہ تم میری حکومت سے بیزار ہو، خدا نے مجھے تم پر مسلط
کر دیا ہے۔ آگاہ رہو، اب تک جو خون بہایا گیا ہے وہ سب میرے،
قدموں کے نیچے ہے۔"

امیر معاویہ نے معاہدۂ امن کے تمام وعدوں اور شرائط کو ٹھوکر مارنے کا اعلان کیا۔
اور عملی طور سے بھی انہوں نے یہی کیا معاہدہ میں اپنے بعد کسی کو نامزد نہ کرنے کا وعدہ کیا
گیا تھا مگر دنیا جانتی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو نامزد کیا۔

معاہدہ میں کتابِ خدا اور سنت رسول کا جو وعدہ کیا گیا تھا وہ زیادہ بن
ابیہ کو اپنا بھائی بنا کر توڑ دیا گیا۔ امیر معاویہ[۱] نے زیاد کو اپنا بھائی تسلیم کیا۔ اس سلسلے
میں ثابت کیا گیا کہ امیر معاویہ کے والد ابو سفیان اور زیاد کی ماں سمیّہ کے درمیان
ناجائز تعلق قائم ہوا تھا جس کے نتیجہ کے طور پر زیاد پیدا ہوا مجمع عام میں یہ اعلان کیا
گیا۔ اس پر گواہیاں پیش کی گئیں بقول طٰہٰ حسین زیاد نے اپنی ماں کے بارے میں
وہ سنا جو کسی شریف آدمی کو گوارا نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ وہ خود کہنے لگا تم کو گواہی دینے
کے لئے بلایا گیا ہے، گالی دینے کیلئے نہیں تاہم امیر معاویہ نے اپنے والد کا زنا ثابت کیا۔
اور پھر زنا سے پیدا ہونے والی اولاد کو اپنا بھائی تسلیم کیا اور لوگوں سے کرایا بھی۔
حالانکہ حدیث ہے کہ فرزند صاحب بستر کا ہے اور زانی کیلئے پتھر ہے۔

انصارانِ علیؑ کو سخت سزائیں دی گئیں حجر بن عدی، عمرو بن الحمق اور
دیگر انصارانِ علیؑ کے ساتھ جو ظلم و ستم رکھے گئے ان سے معاہدہ کی خلاف ورزی

---

[۱] علیؑ طٰہٰ حسین مترجم عبد الحمید نعمانی صفحہ ۵۲۵ نفیس اکیڈمی

نمایاں ہے۔

امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو معاہدہ کے برخلاف نامزد کیا جس پر عبدالرحمن بن ابی بکر نے اسے قیصر و کسریٰ کا طریقہ قرار دیا۔

مروان بن حکم نے مسجد میں تقریر کرتے ہوئے کہا[۵۱] معاویہ نے یزید کو اپنی جگہ خلیفہ بنانے کو جو راہ اللہ نے سمجھائی ہے وہ بڑی اچھی ہے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی حضرت عمرؓ کو نامزد کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبدالرحمن اسوقت موجود تھے انہوں نے ٹوکتے ہوئے کہا کہ یہ تو رومیوں کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے سامنے اپنے بیٹوں کو نامزد کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی اولاد کو نامزد نہیں کیا گیا تھا۔ مروان ان کی شان میں گستاخی کرنے لگا تو ام المومنین حضرت عائشہؓ نے مروان کی سخت سرزنش کی اور اس سے کہا کہ وہ لعنتی ابنِ لعنتی ہے۔

امیر معاویہ نے یزید کو نامزد کر کے دم لیا اس سلسلے میں انھوں خالد بن ولید کے صاحبزادے عبدالرحمن کو اپنے راستے سے ہٹایا۔

[۵۲] معاویہ کو ان سے خوف ہو گیا تھا کہ ان کے سبب سے کوئی ضرر نہ پہنچے اسی خیال سے معاویہ نے ابن اثال کو حکم دیا کہ وہ ان کے قتل کا کوئی حیلہ نکالے۔

طبری کے مطابق حکم اثال نے خراج کی معافی کے لالچ میں عبدالرحمن بن خالد بن ولید کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔

امیر معاویہ نے معاہدہ امن کی پاسداری میں کوئی وفاداری نہیں کی چند واقعات محض ایک سرسری جائزہ کی حیثیت رکھتے ہیں ورنہ اس سلسلے میں سینکڑوں واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر معاویہ نے صلح نامہ کی تمام شرائط کو پامال کر دیا تھا کیا خدا کی کتاب کیا سنت رسولؐ کیا خلفائے راشدینؓ کے طریقے اور کیا ذاتی وعدے۔!

---

[۵۱] اموی خلافت مولانا محمد باقر نقوی صفحہ ۱۰۲

[۵۲] طبری حصہ چہارم صفحہ ۸۳ نفیس اکیڈیمی کراچی

امام حسنؑ نے کیا حاصل کیا؟

امام حسنؑ نے معاہدہ امن کے بعد امیر معاویہ کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ پوری ملّت اسلامیہ کے بغیر شرکتِ غیر حکمران ہو گئے ۔ امیر معاویہ کو مورخین مدبرین سیاست میں شمار کرتے ہیں لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناکام سیاست داں تھے انہیں حکومت کرنے کے لئے چالیس سال کا طویل عرصہ ملا جس میں سے بیس سال ایسے گزرے کہ ان کے قول و فعل پر کوئی پابندی نہیں تھی وہ مطلق العنان تھے ۔ ان کی ہدایت کے مطابق مسجدوں کے منبروں سے حضرت علیؑ پر سب و شتم کیا جاتا تھا ۔ ان کے لئے احادیث وضع کی جاتی تھیں ۔ لیکن وہ ناکام سیاست داں تھے وہ اپنے سپاہ و لشکر، تخت و تاج سفّاک سپہ سالاروں اور وضّاعانِ احادیث کے باوجود خود کو خلفائے راشدین میں شامل نہ کر سکے ۔ احادیث کی معتبر کتابوں میں ان کے لئے باب مناقب قائم نہ ہو سکا وہ ایک متنازعہ شخصیت سے زیادہ کچھ نہ بن سکے یہاں تک ایک عباسی حکمراں نے ان کی مذمّت میں فرمان جاری کر دیا ۔

معاہدہ امن کو بھی جناب امیر معاویہ کی سیاسی برتری کی مثال سمجھا جاتا ہے مگر

تاریخ کا تجزیہ بتاتا ہے کہ ایسا بھی نہیں ہے یہ ان کی قوت کی برتری کا ثبوت ضرور ہے مگر اس سے سیاسی برتری ظاہر نہیں ہوتی، کیونکہ انہوں نے اس معاہدہ کے بعد حکومت پر کلی طور سے اقتدار حاصل کر لیا تھا، لیکن ان پر جو مذہبی خول چڑھا ہوا تھا وہ اتر گیا۔ امیر معاویہ قصاص عثمانؓ کی طلبی کے سہارے میدانِ سیاست میں جلوہ گر ہوئے تھے، مگر اس معاہدۂ امن میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں تھا، اس مطالبہ میں انکے حامیوں نے بھی دیکھ لیا کہ وہ اس میں کس حد تک سنجیدہ تھے، اس طرح معاہدہ امن کے ان کے دعووں کا بھرم کھول دیا ان پر جو اعتماد کی فضا قائم تھی وہ متزلزل ہو گئی اس کے بعد امیر معاویہ کو زبانی جمع خرچ کی بجائے تشدد اور تلوار کے ذریعے کام نکالنا پڑے۔ اس سے قبل وہ سیاسی چالوں سے کام چلاتے تھے لوگوں کو باتوں سے بہلا لیتے تھے۔ لیکن معاہدۂ امن نے ان کی زبان کا اعتبار کھو دیا اور امیر معاویہ کو وہی راستہ اختیار کرنا پڑا جو مطلق العنان حکمرانوں کا مقدر ہوتا ہے یعنی تشدد، اور جس کے نتیجہ میں عوام کے دلوں میں نفرتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ عوام اس کے اظہار پر قادر نہیں ہوتے مگر جب وقت بدلتا ہے تو عوام جابر آمروں کی قبریں تک اکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں۔ بنی عباسؓ نے بنی امیہؓ کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اس نفرت کا منطقی نتیجہ تھا جس سے وہ امیر معاویہ کے عہد سے گزر رہے تھے۔

شام پر مسلم اقتدار کے پہلے دن سے لے کر حضرت علیؑ کے قیام خلافت تک اور حضرت علیؑ کی خلافت کے دوران بھی اہلِ شام دیگر مسلم علاقوں سے کٹے ہوئے ہوئے تھے، اگر یہ کہا جائے کہ مسلم ثقافت اور اقدار کے اثرات شام تک نہیں پہونچے تھے تو یہ بھی غلط نہ ہوگا۔ شام عیسائیت سے اسلام کی طرف آیا تھا۔ اور وہ بھی تلوار کے ذریعہ۔ وہاں کے لوگوں میں اسلام کے اصلی مراکز اور دارالخلافہ سے دبی دبی ہوئی نفرت تھی جو مفتوح اقوام کو فاتح قوم سے ہوتی ہے۔ بنی امیہ نے انھیں

اپنے قدیم تعلقات اور عیسائی خاندانوں سے روابط کے ذریعے ٹھنڈا کر رکھا تھا
پھر بیس سال کی طویل مدت نے نئی نسل کو پروان چڑھا دیا تھا۔ یہی کیا اہلِ شام تو
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے متعارف بھی نہیں تھے۔ انتہا یہ ہے کہ
جب انھیں حضرت علیؑ کے مسجد میں شہید ہونے کی اطلاع ملی تو ایک بوڑھا شامی
حیران ہو کر کہنے لگا کہ علیؑ مسجد میں کیوں گئے تھے۔ سعدؓ بن ابی وقاص کے بھائی عتبہؓ
بن ابی وقاص کے بیٹے ہاشم مرقال سے ایک شامی نوجوان نے کہا کہ علیؑ نماز نہیں
پڑھتے۔ یعنی صورتِ حال یہ تھی کہ ان کے نزدیک بنی امیہ ہی مسلمان تھے اور بس وہی
اسلامی شعار کا نمونہ تھا۔ امام حسنؑ نے معاہدہ امن کر کے شام اور غیر شام کے
درمیان پڑا ہوا پردہ ہٹا دیا۔ اہلِ شام کو ذاتی تجربہ ہوا کہ اسلامی اقدار کیا ہیں۔
صرف یہی نہیں انہیں پہلی مرتبہ اہل عراق اور اہلِ حجاز سے مل کر اندازہ ہوا کہ خلافت
اسلامیہ میں پروان چڑھنے والی معاشرت ان سے کتنی مختلف تھی وہ ایک استحصالی
معاشرہ سے واقف تھے اب انہیں ایک مختلف معاشرہ کا تجربہ ہوا۔ جس سے اہل شام
کے عوامی حلقوں میں ایک ہلچل مچی اس وقت ان پر مسلط سرمایہ داروں اور مراعات
یافتہ طبقہ نے انہیں دبائے رکھا، مگر ایک ذہنی بیداری اور انقلاب نے اپنا
راستہ پا لیا۔ اور امام حسنؑ نے معاہدۂ امن کے ذریعہ امیر معاویہ کی سیاسی برتری

کا پانسہ پلٹ دیا۔

امام حسنؑ کو معاہدہ امن کی ضرورت اس لئے بھی پیش آئی کہ معاشرہ کا رخ
غیر اسلامی اقدار کی جانب ہو گیا تھا، معاشرہ میں دولت کی غیر مساوی تقسیم اقربا
نوازی اور سیاسی بنیادوں پر وظائف کی تقسیم سے ایک ایسا طبقہ وجود میں آگیا
تھا جو تعداد میں تھوڑا تھا مگر وہ تمام وسائل پر قابض تھا یہ لوگ ایک بڑے
مگر محروم طبقہ کا استحصال کرنے کے لئے مذہب کو استعمال کرتے تھے۔ ضرو

تھا کہ پورے معاشرے کی تطہیر کا کام کیا جائے اس کے لئے مخلصانِ اسلام کو آسودگی فراہم کرنا ضروری تھا۔

مسلم معاشرہ میں غلام طبقہ پیدا ہو گیا تھا اور اسے حضرت عمرؓ کے زمانے سے اپنی محرومیوں اور اپنے اوپر ہونے والی زیادتیوں کا احساس ہو چلا تھا، ان غلاموں کو اپنا پیٹ پالنا ہوتا تھا اور اپنے مالک کو بھی طے شدہ رقم ادا کرنا ہوتی تھی اور یہ سب اسلام کے نام پر ہو رہا تھا، حالانکہ حضورؐ نے یہ سنت قائم کی تھی کہ انھوں نے کبھی اپنے غلام سے محنت کرا کے اس کی روزی پر اپنا حق نہیں جتایا تھا، مگر لوگوں نے غلامی کے اس ادارے کو اس طرح استعمال کرانا شروع کر دیا تھا کہ غلام کماتا تھا اور ایک مخصوص رقم اپنے مالک کو ضرور ادا کرتا تھا۔

امام حسنؑ کا فریضہ تھا کہ وہ پورے عالم عالم اسلام کو صحیح اسلامی اصولوں سے روشناس کرائیں اور یہ سب پُرامن حالات میں ہی ممکن تھا۔ امام نے پورے ملک میں ہر مسلمان کے لئے امن و امان کی فضا مہیا کی۔ لوگوں کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ وقتی فائدے کے لئے اپنے ضمیر کو فروخت کرنے سے محفوظ ہو گئے کیونکہ امن کے بعد امیر معاویہ نے یہ خرید و فروخت ہی بند کر دی تھی اس طرح رشوت کا بازار سرد پڑ گیا اور لوگوں کے ضمیر بیدار ہونا شروع ہوئے، قدیم مسلم مراکز اسلامی علوم کا سرچشمہ بن گئے۔

امیر معاویہ نے اپنے نشر و اشاعت کے ذرائع سے پورے عالم اسلام میں معصوم اور بے خبر لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی مظلومیت کا ایسا ہمدرد بنا دیا تھا کہ وہ جذباتیت کا شکار ہو جاتے تھے، امیر معاویہ نے اس ہتھیار کو گاہے گاہے استعمال کر کے سیدھے سادھے لوگوں کو اپنا ہم نوا بنا کر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ امام حسن علیہ السلام نے معاہدۂ امن کے ذریعہ اس معاملہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اور امیر معاویہ سے وہ ہتھیار چھین لیا۔ جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو اشتعال دلایا کرتے

تھے۔ اس کے بعد عام لوگ اس نعرے کے افسون سے نکل گئے۔ تاہم حکمران مدتوں اس حوالے سے عوام کا قتل کرتے رہے مگر پھر اس نعرہ کو عوامی حمایت حاصل نہ ہو سکی۔

معاہدۂ امن سے امام حسنؑ نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ اہلِ بیتِ رسولؐ کو اقتدار کا لالچ نہیں ہے امامؑ نے خود حکومت امیر معاویہ کے سپرد کر کے اہلِ بیتؑ کے کردار کو واضح کیا۔ جس طرح حضرت علیؑ نے چوتھی خلافت سنبھالنے سے انکار کیا تھا اسی طرح امام حسنؑ نے اقتدار سے دست برداری اختیار کر کے امیر معاویہ اور اپنے دیگر مخالفین پر واضح کر دیا کہ اقتدار کو اہلِ بیتؑ اپنے اثرات کے لئے ناگزیر نہیں سمجھتے امام حسنؑ نے اپنے مخلصوں کی نشاندھی بھی کی۔ تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ امام حسنؑ کے رفقاء بھی ان کی حمایت برنائے اقتدار کر رہے ہیں انہوں نے اس وقت کے سارے اہل شعور پر واضح کر دیا کہ اہلِ بیت اپنے احترام کے لئے اقتدار اور دُنیا کا سہارا نہیں لیتے۔

امام حسنؑ کا یہ معاہدۂ امن امیر معاویہ کی پالیسیوں کے لئے تریاق ثابت ہوا امیر معاویہ پہلے دن سے تصادم کے موقف پر ڈٹے ہوتے تھے، وہ اختلاف اور سرکشی کا کوئی موقع نظر انداز نہیں کرتے تھے' ان کے نزدیک اسلامی برادری کا تصور کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ وہ مسلمان کو مسلمان سے لڑا کر کوئی خلش محسوس نہیں کرتے تھے۔ امام حسنؑ نے معاہدہ امن کے ذریعے مسلم بھائی چارے کی پالیسی کا ثبوت دیا۔ اور ان لوگوں کے لئے ایک لمحہ فکریہ پیش کیا جو روز روز کے تصادم سے تنگ تھے۔ اور مسلم اخوت کے نظریئے کو ایک خواب پارینہ سمجھ رہے تھے۔ امام حسنؑ کے دستِ محبت کی وسعت دیکھ کر لوگوں کو امیر معاویہ اور امام حسنؑ بلکہ بنی امیہ اور بنی ہاشم کے کردار کا فرق نظر آیا۔ اور آج تک امام حسنؑ کو یہ فخر حاصل ہے

ہے کہ انھیں امن و آشتی کا نمائندہ کہا جاتا ہے، دو مسلمان گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا قرار دیا جاتا ہے۔ اختلاف ختم کر کے اتحاد کا داعی کہا جاتا ہے امام حسنؑ نے معاہدۂ امن کے ذریعہ ابد تک اپنے لئے نیک نامی حاصل کرلی۔ امیر معاویہ جنگ میں حضرت علیؑ سے شکست کھا گئے اور معاملاتِ امن میں امام حسنؑ سے — اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ معاویہ ایک ناکام سیاست دان تھے۔

اِمتیازاتِ اِمام حسنؑ

امام حسنؓ علیہ السلام عالم اسلام کی برگزیدہ اور صاحب عزت شخصیت ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے خصوصی نسبت، خاتون جنت حضرت فاطمہ سلام علیہا اور حضرت علیؓ کے جگر گوشہ اور ذاتی تقویٰ کی بنیاد پر عالم اسلام میں امام حسنؓ ایک مرکزی حیثیت کے حامل ہیں جن کے حوالے سے اسلام کے امتیازی اوصاف سمجھے جا سکتے ہیں، اسلامی اقدار کی بصیرت حاصل ہوتی ہے اور مسلمانوں کے درمیان حق و ناحق کی تمیز حاصل ہوتی ہے۔

عالمِ اسلام ہی میں نہیں بلکہ کائنات میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایک کلّی حق اور میزان حق کا درجہ رکھتی ہے، آپؐ نے امام حسنؓ کے سلسلے میں فرمایا

ؔ "جو حسنؓ و حسینؓ کو دوست رکھتا ہے وہ مجھ کو
دوست رکھتا ہے جو ان کو دشمن جانتا ہے وہ

ؔ ہم نے ترجمہ اور حوالہ میں براہ راست کی بجائے شاہ عبدالعزیز کی تالیف فضائل صحابہؓ و اہلِ بیتؓ صفحہ ۱۹۹ سے استفادہ کیا ہے۔ جسے پاک اکیڈمی نے محمد ایوب قادری کے مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔

مجھ کو دشمن جانتا ہے (احمد اور ابن ماجہ)

اس حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں امام حسنؓ کی ذات گرامی حق اور باطل کے لئے ایک پہچان کی حیثیت رکھتی ہے جیسے ان کے والدِ گرامی حضرت علیؓ کے لئے حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ "ہم منافقوں کو علیؓ کی دشمنی سے پہچانتے تھے"۔

امام حسنؓ کا شمار اصحابِ رسولؐ میں ہوتا ہے، وہ تمام معتبر احادیث اور مستند اقوال جن کے ذریعے اصحابِ رسولؐ کی عظمت اور بزرگی شامل ہے امام حسنؓ پر وارد ہوتی ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنی معروف تصنیف "شہیدانِ کربلا اور یزید" میں امام حسینؓ کے مناقب بیان کرتے ہوئے اُن کی صحابیت پر جو دلائل پیش کئے ہیں وہ براہ راست امام حسنؓ کی صحابیت کے لئے بھی دلائل ہیں۔

قاری طیبؒ نے بخاری کی ایک حدیث پیش کی ہے۔

جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت پائی یا آپ کو بحالتِ ایمان دیکھ لیا وہ صحابی ہے۔

قاری محمد طیبؒ نے صفحہ ۲۶ پر حافظ ابن حجر کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ صحابیت کیلئے محدثین کی عمر قید متعیّن نہیں کی ہے۔ ابنِ حجر کی عبارت یہ ہے

"ان میں سے بعض نے شرط لگائی ہے کہ آدمی
حضور کے ساتھ جمع ہونے کے وقت
بالغ ہو گا (تب صحابی ہو گا) یہ قولِ مردود ہے"

قاری طیبؒ نے امام حسنؓ کو صحابی قرار دیا ہے اس ضمن میں مختلف محدثین اور علماء کے حوالوں سے اپنے مؤقف کو ثابت کرتے ہوئے علمائے دیوبند کے مسلک کی وضاحت کی ہے کہ ان کے نزدیک امام حسن کا شمار اصحابِ رسولؐ میں بھی ہوتا ہے انہوں نے امام حسنؓ کو صاحب روایت صحابی (صفحہ ۳۰) بھی تسلیم کیا ہے اور حافظ

ابنِ عبدالبر استیعاب کا ایک حوالہ یوں پیش کیا ہے۔

"حسنؓ بن علیؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے متعدد حدیثیں حفظ کی ہیں اور حضورؐ سے انھوں
کئی روایتیں کیں۔ جس میں ایک حدیث دعاء قنوت
کی ہے اور انہی میں سے یہ بھی ہے کہ ہم آلِ محمدؐ
کے لئے صدقہ لینا حلال نہیں۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی کا بھی ایک حوالہ قاری طیبؒ نے اپنے دلائل کو ثابت کرنے کے لئے پیش کیا ہے۔

"حسنؓ بن علیؓ بن ابیطالبؓ ہاشمی سبطِ رسول اور
ریحانہ رسولؐ دنیا میں اور جنت کے سرداروں میں
میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے روایت کی ہے اپنے
جدِ پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے
والد حضرت علیؓ سے اور اپنے بھائی حسینؓ سے
اور اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے۔

امام حسنؓ کی روایات کو موثق مانا گیا ہے۔ امام حسنؓ کو خود بھی صحابی اور صاحبِ روایت صحابی ہونے کا ادراک تھا۔ امام حسنؓ کے رجال تاریخ بخاری کے رجال اور سنن اربعہ کے رجال میں داخل ہیں، محدثین امام حسنؓ کی روایات کو مستند تسلیم کرتے ہیں۔

قاری محمد طیبؒ نے امام حسنؓ کی صحابیت کو اسناد اور دلائل سے ثابت کیا ہے ان کی تفصیلی بحث سے استنباط کر کے امامؓ کے صحابی ہونے کی وضاحت کی گئی ہے تاکہ کم عمری کی وجہ سے انہیں صحابی نہ سمجھنے سے امکانی خطا نہ ہو۔ امام حسنؓ

کم عمر سہی مگر وہ صحابی تھے۔ صاحب روایات صحابی تھے، محدثین نے ان کی روایت کو مستند اور معتبر گردانا ہے، بہت سی احادیث کے مرکزی راوی امام حسنؑ ہیں۔

امام حسنؑ کا ایک اور اعلیٰ و ارفع منصب اہلِ بیت میں شمار ہونا ہے۔ ازواج اور اصحاب کو اہلبیتؑ سے علیحدہ سمجھانے کے لئے محتاط علماء جب درود لکھتے یا پڑھتے ہیں تو اس طرح پڑھتے ہیں

اللّٰھم صلِّ علیٰ محمدٍ وآلہٖ واصحابہٖ وازواجہ

تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آل، اصحاب اور ازواج الگ الگ امتیاز ہیں۔

اہلِ بیتؑ کی عظمت کے لئے مشکوٰۃ کے باب مناقب اہلِ بیت کی ایک حدیث زید بن ارقم سے مرقوم ہے

"زید بن ارقم نے نقل کیا کہ کھڑے ہوئے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہمارے بیچ میں خطبہ پڑھنے کو پانی پر جس کو کہتے ہیں خم مکہ اور مدینہ کے بیچ میں سو تعریف کی اللہ کی، اور ثناء کی اللہ پر نصیحت کی اور پند دی اور فرمایا کہ بعد اس کے یہ ہے کہ خبردار رہو اے لوگو کہ میں آدمی ہی ہوں، اب آوے گا میرے پاس قاصد میرے رب کا یعنی ملک الموت، سو میں چھوڑتا ہوں تم میں دو چیزیں اوّل ان میں سے کتاب اللہ ہے کہ وہ رسّی ہے اللہ کی طرف جو اس سے چلے وہ نیک راہ پر ہے، اور جس نے اس کو چھوڑا وہ گمراہی پر ہے اس میں نیک راہ اور نور ہے تو عمل کرو اللہ کی کتاب پر اور مضبوط پکڑو تو توجہ دلائی اللہ کی کتاب پر اور رغبت دلائی اس میں پھر فرمایا اور میرے اہلِ بیت، یاد دلاتا ہوں میں تم کو، اللہ کو اپنے اہلِ بیت میں، اور ایک روایت میں یوں ہے فرمایا عترت میری، گھر والے

میرے، اور ہرگز جدا نہ ہوں گے عترت اور کتاب جب تک کہ
وارد ہوں میرے پاس حوضِ کوثر پر، تو لحاظ رکھو کہ کیسا میرے
پیچھے تم کرو گے ان کے مقدمہ میں ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا
اے لوگو! میں نے چھوڑیں تم میں دو چیزیں، اگر تم اختیار کرو اس
کو تو ہرگز گمراہ نہ ہو، اللہ کی کتاب اور میری عترت میرے گھر والے۔"
(ہم نے ترجمہ مولانا شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی کے مقالہ عظمت صحابہ و اہلبیتؑ
کے اس اردو ترجمے سے لیا ہے، جو مکتبۂ نذیریہ فیروز لوپر روڈ، لاہور نے
شائع کیا)

مولانا محمد اسمٰعیلؒ نے اہلبیتؑ کے سلسلہ میں یہ بیان کرتے ہوئے
کہا ہے کہ ان کا مرتبہ اور کلام اللہ کا مرتبہ ایک ہے (صفحہ ۸۷) اور دونوں کی تعظیم
کا یکساں حکم ہے۔ مشکوٰۃ سے مزید دو حوالے دیتے ہیں۔

"مشکوٰۃ کے باب مناقب اہلِ بیتؑ میں لکھا ہے
کہ ترمذی نے ذکر کیا کہ ابنِ عباس نے نقل کیا کہ
رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محبت
رکھو اللہ سے اس واسطے کہ وہ تم کو کھلاتا ہے
اپنی نعمتیں اور محبت رکھو مجھ سے اللہ کی محبت
کے سبب اور محبت رکھو میرے اہل بیتؑ
سے میری محبت کے سبب۔"

دوسرا حوالہ جس سے شاہ اسماعیل نے اہل بیت کی عظمت کا ذکر کیا ہے
اس طرح ہے۔

"مشکوٰۃ کے باب مناقب اہل بیتؑ میں لکھا ہے کہ

امام احمد نے ذکر کیا کہ ابی ذر نے نقل کیا کہ میں نے سنا
پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ فرماتے تھے کہ خبردار
ہو کر مثال میرے اہلِ بیتؑ کی تمہارے بیچ ایسی ہے
جیسے ناؤ حضرت نوحؑ کی کہ جو سوار ہوا اس میں بچا
اور جو چھوٹ گیا وہ ہلاک ہوا۔"

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ ارشادات اہلِ بیتؑ پاک کے اس منصب کی نشاندہی کرتے ہیں جن کا ذکر حضور نے امتیازی اور خصوصی طور سے کیا۔ حتیٰ کہ حضورؐ نے ایسے درود سے بھی منع فرمایا جس میں "آل کو شامل نہ کیا جائے"، صواعق محرقہ نے لکھا ہے۔

"لوگو مجھ پر منقطع اور دم بریدہ درود نہ بھیجا کرو۔"

اہلِ بیتؑ پاک کی ان عظمتوں میں امام حسنؑ برابر کے شریک ہیں ان کا مرتبہ بقول مولانا اسمٰعیل دھلوی کلام اللہ کے مساوی ہے۔ ان سے تمسک حضورؐ سے تمسک کے مترادف ہے امام حسنؑ کے دامن سے وابستگی عافیت کی علامت ہے یہ وہ صفات ہیں جن میں امام دیگر ارکانِ اہلِ بیتؑ کے ساتھ شامل ہیں اس کے علاوہ امامؑ کے کچھ خصوصی امتیازات بھی ہیں۔

"بخاری ومسلم نے ذکر کیا کہ براء نے نقل کیا کہ میں نے دیکھا
پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور علیؑ کے بیٹے حسنؑ
ان کے کاندھے پر تھے فرماتے تھے کہ "اے اللہ میں
چاہتا ہوں اس کو تو بھی دوست رکھ۔"

"بخاری ومسلم نے ذکر کیا ابو ہریرہ نے نقل کیا کہ
میں نکلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
ساتھ تھوڑے سے دن میں جب آپ نے فاطمہؑ کے ڈیرے

میں تو فرمایا کیا یہاں لڑکا ہے یعنی حسنؓ، یہ فرمایا دو بار تو دیر نہ کی کہ آئے حسنؓ دوڑتے، یہاں تک کہ گردن میں باہیں ڈال دیں۔ پھر ایک نے دونوں میں سے اپنے صاحب کے پھر فرمایا، پیغمبر خداؐ نے کہ خدایا میں محبت رکھتا ہوں اس سے تو بھی رکھ محبّت اس سے اور محبت رکھ اس شخص سے جو محبت رکھے اس سے۔

"بخاری نے ذکر کیا ابی بکرہ نے نقل کیا کہ میں نے دیکھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور حسنؓ بن علیؓ کو ان کے پہلو پر تھے اور رسولِ خدا متوجّہ تھے لوگوں کی طرف ایک دفعہ اور حسنؓ پر دوسری بار فرماتے تھے کہ یہ میرا بیٹا سیّد ہے اور امید ہے کہ اللہ صلح یعنی دوستی کرائے اس کے سبب بڑی دو جماعتوں میں مسلمانوں کے۔

"ترمذی میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اہل بیتؑ میں مجھے حسنؓ و حسینؓ سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

"ترمذی میں ہے کہ حسنؓ و حسینؓ جوانانِ جنّت کے سردار ہیں۔"

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے خدا میں ان دونوں (حسنؓ و حسینؓ) سے محبّت کرتا ہوں تو بھی ان سے بلکہ ان کے دوستوں تک سے محبّت کر۔"

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص ان دونوں سے

(حسنؓ و حسینؓ) سے محبّت رکھے گا وہ مجھ سے محبّت کا دعویٰ کرتا ہے، اس کو چاہیئے کہ وہ ان دونوں (حسنؓ و حسینؓ) سے بھی محبّت کرے۔ حضورِ اکرمؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسنؓ و حسینؓ کو جوانانِ جنّت کا سردار قرار دیا ہے۔ ان کی محبّت کو اپنی محبّت سے مشروط کیا ہے ان سے دشمنی کو اپنی دشمنی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ ان سے محبّت رکھنے والوں سے محبّت رکھے۔ یہ ہیں وہ مناقب جو احادیث میں بیان کئے گئے ہیں۔

فضائل اہلِ بیت اور مناقب امام حسنؓ کے سلسلے میں شاہ عبدالعزیز دھلوی کی تصنیف فضائل صحابہ و اہلِ بیتؓ مقدمہ محمد ایوب قادری کے اردو ترجمہ سے چند احادیث نقل کی جاتی ہیں جو مجموعی طور سے اہلِ بیتؓ اور انفرادی طور سے امام حسنؓ کے فضائل کے سلسلے میں متفق علیہ ہیں۔

"میرے پاس ایک فرشتہ آیا آتے ہی مجھ کو سلام کیا (یہ) آسمان سے اترا، اس سے پہلے نہ اترا تھا پس مجھ کو بشارت دی کہ حسنؓ و حسینؓ جوانانِ بہشت کے سردار ہیں۔" اس کو ابنِ عساکر نے روایت کیا۔

"حسنؓ اور حسینؓ دنیا میں میرے باغ کے دو پھول ہیں۔ دنیا میں میرے گلِ مراد اور ثمرِ نوادہیں۔" اس کو ترمذی نے روایت کیا۔

"پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت گھر سے باہر تشریف اور صوف کا ایک کمبل اوڑھے ہوئے تھے جس پر کجاوہ شتر کی صورت

سے نقش تھے کہ حسنؓ ابن علیؓ آ گئے آپ نے ان کو کمبل میں لے لیا پھر
حسینؓ آئے ان کو بھی داخل کیا۔ پھر حضرت فاطمہ زہراؓ تشریف لائیں۔
ان کو بھی اسی میں لے لیا اور یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اہل بیت
اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تمہاری پلیدی دور کر دے۔" اس کو مسلم نے
روایت کیا۔

"جب یہ آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بلائیں ہم
اپنے فرزندوں کو، اپنی عورتوں کو اور اپنے نفسوں کو تو پیغمبر صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم نے علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ حسینؓ کو طلب کیا۔ اور فرمایا الٰہی یہ
میرے اہل بیت ہیں۔" اس کو مسلم نے روایت کیا۔

"میں تم میں دو چیزیں بزرگ و گراں قدر یعنی عالی مرتبہ
چھوڑتا ہوں، اول کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑو اور اس کو اختیار
کرو، پس آپ نے کتاب اللہ کے عمل پر کمال تحریص کی اور رغبت دلائی
پھر فرمایا کہ میرے اہل بیت یعنی تم کو اپنے اہل بیت کے بارے
میں خدا کو یاد دلاتا ہوں یعنی ان کی تعلیم و توقیر اور محبت کے بارے
میں۔ اس کو مسلم نے روایت کیا۔"

"حسنؓ اور حسینؓ دونوں عرش کے گوشوارے یعنی عرش کی
آرائش و زینت ہیں اور عرش معلق نہیں ہے۔" اس کو طبرانی نے
روایت کیا۔

امام حسن علیہ السلام کے فضائل میں احادیث کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ
وسلم کی محبت کے عملی ثبوت ہیں۔

ایک بار حضور اکرمؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ حسنؓ و حسینؓ

آہستہ آہستہ آتے ہوئے نظر آئے، آپ نے خطبہ روک دیا اور دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا لیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب نماز پڑھتے تو حسنینؑ حالتِ سجدہ میں آکر پشت پر سوار ہو جاتے تو آپؐ سجدہ کو طول دے دیتے تھے۔

احادیث اور عملِ رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے علاوہ قرآن مجید میں بھی آپ کے مناقب کی طرف واضح اشارے ملتے ہیں جن کی تفسیر میں مفسر حضرات نے وضاحت کی ہے ۔ آپ آیۂ تطہیر، آیہ مباہلہ، آیۂ ھل اتی کی عملی تصویریں تھے۔

خُطبَات

امام حسن علیہ السلام ایک بہت اچھے خطیب تھے ان کی خطابت کے چند نمونے تاریخ میں محفوظ ہیں جن میں کوفے سے حضرت علیؑ کے لئے لشکر کی فراہمی کے لئے، حضرت علیؑ کی شہادت کے موقع پر، اپنی خلافت کے قیام پر اور معاہدہ امن کے بعد کے خطبات بہت اہم ہیں، ان خطبات کو حمد و نعت کے ساتھ اہل بیتؑ کے تعارف، عصری حقائق اور معاشرتی تجزیہ سے مزیّن کیا گیا ہے۔ خطابت صرف الفاظ کی نشست و برخاست سے عبارت نہیں ہوتی اس کے پیچھے جذبات و احساسات اور موقع محل بھی کارفرما ہوتا ہے۔ ان خطبات کا ادراک اسی وقت ممکن ہے جب خطبات کا پس منظر، اُن کے سامعین اور خطیب کا ذہنی اور معاشرتی ارتباط واضح ہو۔

جنگِ جمل کے موقع پر علیؑ کو کھلے مخالفین کے علاوہ ایسے مخالفوں سے بھی واسطہ تھا جو آپؑ کی افرادی قوت کو کم کر کے آپؑ کے جنگی حریفوں کی خاموش امداد کر رہے تھے ان میں کوفہ میں جناب موسیٰ الاشعری سرفہرست تھے وہ اہل کوفہ کو نصیحت کر رہے تھے اور انھیں جنگ میں عملی شرکت سے روک رہے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کی بیعت ان کی گردن میں پڑی ہوئی ہے، ظاہر ہے کہ ان کی ہمدردیاں حضرت علیؑ

کے ساتھ نہیں تھیں۔ اہلِ کوفہ اگر مخالفینِ علیؑ کی حمایت پر کمر بستہ ہوتے تو جناب موسیٰ الاشعری انھیں بالکل نہ روکتے لیکن وہ جانتے تھے کہ اہلِ کوفہ کا رخ حضرت علیؑ کی جانب ہے، اس لئے وہ خطبہ پر خطبہ دے کر دراصل علیؑ کی حمایت پر آمادہ لوگوں کو روک کر مخالفین علیؑ کی مدد کر رہے تھے اہلِ کوفہ کے صحیح ارادے اس وقت سامنے آ گئے جب انھوں نے جنگ میں شرکت کا ارادہ کیا تو وہ حضرت علیؑ کے لشکر ہی میں شامل ہو گئے۔ اور انہیں اس بات پر آمادہ کرنے کا سبب امام حسنؑ کا ایک خطبہ ہی تھا۔

جناب موسیٰ الاشعری نے حضرت علیؑ کے قاصد جناب محمد بن ابی بکرؓ اور جناب محمد بن جعفرؓ کو کوفہ سے ناکام لوٹا دیا تھا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے جناب مالک اشترؓ اور جناب ابنِ عباسؓ کو بھیجا۔ ابوموسیٰ الاشعری نے اہلِ کوفہ کو چند نصیحتیں کرنے کے بعد لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ حالات میں ملوث نہ ہوں، اور نتائج کا انتظار کریں۔ انھوں نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ تلواریں نیام میں کر لیں۔ یا انہیں توڑ دیں۔

ان کی تقریر بہت جذباتی تھی۔ اب تک وہ لوگوں کو اسی طرح حضرت علیؑ کی حمایت سے روک رہے تھے انھوں نے اس موقع پر یہی کچھ کہا۔ انھوں نے اہلِ کوفہ کو خطاب کرتے ہوئے حضرت علیؑ کے استحقاق خلافت پر شک کا اظہار کیا۔

> ۱ے اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صحابہؓ
> جو مختلف مقامات میں آپ کے ساتھ رہے تھے۔
> اللہ عزوجل کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
> کی سنت کو ان لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں۔

۱ے طبری خلافت حضرت علیؑ مترجم حبیب الرحمٰن صدیقی صفحہ ۱۱۷ نفیس اکیڈیمی کراچی

جو لوگ آپؐ کی صحبت میں نہیں رہے، تمہارا ایک
حق ہم پر ہے جسے میں ادا کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ
اللہ عزوجل کی قدرت کو معمولی نہ سمجھو نہ اللہ عزوجل
کے احکامات کا مقابلہ کرو۔ دوسری رائے یہ ہے کہ
تمہارے پاس مدینہ ہے جو شخص بھی آئے اسے مدینہ
واپس کردو۔ تاوقتیکہ اہلِ مدینہ ایک امر پر متفق
نہ ہو جائیں کیونکہ وہ تم سے زیادہ اس بات کو
جانتے ہیں کہ تم میں سے کون شخص امامت وخلافت
کے لائق ہے۔ اس جنگ میں شامل ہو کر خود کو تکلیف
میں مبتلا نہ کرو کیونکہ یہ ایک خاموش فتنہ ہے
جس میں سونے والا جاگنے والے سے بہتر ہے۔ اور
کھڑا ہونے والا سوار ہونے والے سے بہتر ہے۔ تم
لوگ عرب کے کپڑوں کی طرح بن جاؤ۔ تلواروں کو
میان میں کرلو۔ نیزوں کو توڑ دو اور کمانیں توڑ کر
پھینک دو۔ مظلوم اور پریشان کی مدد کرو، اور
اس وقت تک خاموش بیٹھے رہو، جب تک اس
خلافت کے معاملے پر اتفاق نہ ہو جائے اور یہ فتنہ
دور نہ ہو جائے۔"

ابوموسیٰ الاشعری نے اہلِ کوفہ کو مدینہ سے آنے والے حضرت علیؓ کے
قاصدوں کو واپس لوٹانے کی ہدایت کی۔ حضرت علیؓ کی طے شدہ خلافت کو غیر طے شدہ
قرار دیا۔ اور اس امید پر کہ حضرت علیؓ کے مخالفوں میں سے کوئی صاحب خلافت قرار

پانے لوگوں کو انتظار کرنے کی رائے دی۔ اس ضمن میں انہوں نے اہلِ مدینہ اور اصحابِ رسولؐ کو معتبر قرار دیا۔ اور انہی کے فیصلے کو ماننے کی تلقین کی۔ اگرچہ اس وقت اہلِ مدینہ اور اصحاب کی بیشتر تعداد حضرت علیؑ کی خلافت پر متفق تھی ۔۔ مگر ابوموسیٰ الاشعری یہ جانتے تھے کہ اہلِ کوفہ حضرت علیؑ کی حمایت کریں گے اس لئے وہ انہیں فریقِ مخالف کی حمایت پر آمادہ کرنے کی بجائے حضرت علیؑ کی حمایت سے روکنے پر اکتفا کر رہے تھے ان کی ان کوششوں کا اثر یہ ہوا کہ جناب عبداللہ ابن عباسؓ اور جناب مالک اشترؒ بھی ناکام لوٹ گئے۔ اب حضرت علیؑ نے حضرت امام حسنؑ اور حضرت عمار یاسرؓ کو کوفہ روانہ کیا۔ اور حضرت امام حسنؑ سے کہا۔

"تم کوفہ جاکر وہاں کے خراب حالات کو درست کرو ۔۔"

امام حسنؑ علیہ السلام ابوموسیٰ الاشعری سے ملے تو آپ نے موسیٰ الاشعری سے کہا۔

"آپ نے لوگوں کو ہماری مدد سے کیوں روک دیا ہے خدا کی قسم ہمارا ارادہ لوگوں کی اصلاح کرنا ہے اور امیر المومنین (علیؑ) جیسی ہستی کے بارے میں کسی برائی کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

حضرت حسنؑ کی کوفہ آمد سے حامیانِ علیؑ کو حوصلہ ہوا۔ لوگوں نے حضرت علیؑ کی حمایت میں اپنے احساسات و جذبات کا اظہار کیا۔ زید بن صوحان نے حضرت علیؑ کی حمایت کا اعلان کیا۔ اس موقع پر اختلاف رائے ہوا ۔ اس اختلاف سے موسیٰ الاشعری نے فائدہ اٹھایا اور تند و تیز الفاظ میں لوگوں کو جنگ سے باز رہنے کی ہدایت کی۔ انہوں نے فتنہ سے خوف زدہ کیا۔ لوگوں کو اللہ کے انجام

تلواریں اور کمانیں توڑنے کی ہدایت کی مگر امام حسنؓ اور حضرت عمار یاسرؓ
سے ڈرایا۔ تلواریں اور کمانیں توڑنے کی ہدایت کی مگر امام حسنؓ اور حضرت عمار یاسرؓ
کی موجودگی سے حامیانِ علیؓ نے اپنے ارادے ظاہر کئے۔ قعقاع بن عمرو نے علیؓ
کی تابعداری میں کوچ کا اعلان کیا۔
حضرت عمار یاسر نے لوگوں کو اپنے قائد حضرت علیؓ کے لئے لوگوں کو آمادہ
کیا۔ اس موقع پر امام حسنؓ نے ایک سادہ سی تقریر کی

اے لوگو! اپنے امیرؓ کی دعوت قبول کرو اور
اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے چلو۔ کیوں کہ علیؓ اس کے
اہل ہیں کہ ان کی مدد کی جائے، خدا کی قسم عقلمند
لوگ انہی کے ساتھ شامل ہوں گے۔ اور اسی میں
دنیا اور آخرت کی بہتری ہے تم لوگ ہماری دعوت
کو قبول کرو اور جب آزمائش میں ہم اور تم مبتلا ہو گئے
ہیں اس میں ہماری مدد کرو۔[1]

مولانا عارف حسین نے اپنی تالیف سید الصالحین کے صفحہ ۳۰۴ پر اس خطبہ کا حوالہ
اس طرح دیا ہے۔

"لوگو! علیؓ ابن ابیطالبؓ تمہارے امام و پیشوا ہیں
جن پر فتنہ پردازوں نے چڑھائی کی ہے۔ طرح طرح
کی اذیتیں خلیفۂ برحق کو دے رہے ہیں کھلم کھلا
خدا کا گناہ کر رہے ہیں۔ تمہارے امام کی بیعت
تمہاری گردن میں ہے، لہٰذا تم پر ان کی اطاعت

---

[1] خلافت حضرت علیؓ (طبری)

نصرت واجب ہے اس لئے چلو چل کر امام وقت کی
نصرت کرو۔ ایک دوسرے کا منہ نہ دیکھو۔ ہر
شخص اپنے اپنے گناہ کا ذمہ دار ہے۔"

امام حسنؓ نے حضرت علیؓ کی حمایت صرف اپنے والد کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ خلیفۂ وقت اور امامِ عصر کی حیثیت سے بھی ان کی عملی امداد کی اور اہلِ کوفہ سے نو ہزار سے زائد لشکر جمع کیا۔ طبری کے مطابق ان لوگوں کی تعداد بہت قلیل تھی۔ جو اس موقع پر حضرت علیؓ کی حمایت سے دست کش رہے۔

امام حسنؓ کا ایک اور خطبہ وہ ہے جو آپ نے حضرت علیؓ کی شہادت کے موقع پر دیا تھا۔ طبقات ابنِ سعد میں اس خطبہ کی عبارت یہ ہے۔

[1] "کل ایک ایسا شخص تم میں سے جدا ہو گیا کہ نہ
اولین اس سے آگے بڑھے نہ آخرین اسے پائیں گے۔
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسے میدانِ جنگ میں
بھیجتے تھے اور اسے علم دیتے تھے۔ وہ اس وقت تک
واپس نہیں کیا جاتا تھا تاوقتیکہ اللہ اسے فتح نہ
دیتا تھا۔ جبرئیلؑ اس کے داہنی طرف رہتے تھے۔
اور میکائیل اس کے بائیں طرف اس نے نہ چاندی
چھوڑی نہ سونا سوائے سات سو درہم کے جو اس کی
عطا سے بچ گئے تھے جن سے اس کا ارادہ خادم
خریدنے کا تھا۔"

[1] طبقات ابنِ سعد حصہ سوئم صفحہ ۲۲۱ نفیس اکیڈمی

(نوٹ :۔ اس عبارت میں حضرت علیؑ کے لئے "اس" کا لفظ صاحب ترجمہ نے کیا ہے۔ اگرچہ مترجم کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ آداب ملحوظ رکھے۔ میں نے مترجم کی عبارت کو جوں کا توں پیش کیا ہے اس لئے "اس" کی جگہ "ان" کا استعمال نہیں کیا ہے۔ یہ مؤلف کی حیثیت سے میری مجبوری سمجھی جائے۔ نیّر مدنی)

طبری نے بھی حضرت علیؑ کی شہادت کے موقع پر امام حسنؑ کا خطبہ نقل کیا ہے اس کا ترجمہ جناب حبیب الرحمٰن صدیقی نے طبری خلافت علی صفحہ ۴۵۲ پر اس طرح کیا ہے۔

"تم نے رات ایک شخص کو قتل کر دیا ہے، ایسی رات میں جس میں قرآن نازل ہوا جس میں حضرت عیسیٰؑ آسمان پر اٹھائے گئے، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی حضرت یوشع بن نون شہید کئے گئے خدا کی قسم جو لوگ پہلے گزرے ہیں وہ بھی علیؑ سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اور وہ لوگ جو بعد میں آئیں گے۔ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں لشکر دے کر روانہ فرماتے تھے اور جبرئیلؑ اور میکائیلؑ ان کے دائیں بائیں ہوتے۔ خدا کی قسم انھوں نے نہ کچھ سونا چھوڑا ہے اور نہ کچھ چاندی چھوڑی ہے صرف آٹھ سو یا سات سو درہم اپنے خادم کیلئے چھوڑے ہیں۔"

امام حسنؑ کا یہ خطبہ تفصیل سے بھی دستیاب ہے جس کے حوالے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؑ نے لوگوں کو پہلے اپنا اور اہل بیتؑ کا تعارف کرایا۔ اور یہ بھی بتایا کہ اہلبیتؑ کی اصطلاح صرف انکے خاندان پر صادق آتی ہے۔ اور ان سے تمسک کرنا سنت

رسول اللہؐ کے مترادف ہے۔ آپؑ نے قرآنی حوالوں سے اہل بیتؑ کے مناقب بیان کئے۔ اور یہ بھی بتایا کہ حضرت علیؑ سرمایہ اندوزی کے کس قدر خلاف تھے۔ آپؑ نے فرمایا۔

"لوگو! ہم ہی خدا کا وہ گروہ ہیں جو غالب ہے۔ ہم ہی عترتِ رسول خُدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ہم سے بڑھکر آنحضرتؐ کا کوئی قرابت دار نہیں۔ ہم ہی اہلِ بیتِ رسالتؐ ہیں۔ ہم تمام برائیوں سے پاک سارے گناہوں سے طاہر اور مُطہر ہیں۔ دو گران بہا بیش قیمت چیزیں جنھیں محمد مصطفےٰؐ امت کے پاس بطورِ امانت چھوڑ گئے ہیں ان میں سے ایک ہم ہیں۔ ہم وہی ہیں جنھیں رسولِؐ خدا نے قرآن کا ردیف بنایا۔ تاویل اور تنزیل میں کتاب اللہ کا پورا علم دیا۔ ہم قرآن ہی سے گفتگو کرتے ہیں۔ کبھی اپنے گمان و قیاس کو دخل نہیں دیتے، لہٰذا ہماری اطاعت کرو کیونکہ خدا نے ہماری اطاعت تم پر فرض قرار دی ہے اور خدا نے اپنی اور اپنے رسولؐ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ ہماری اطاعت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو، رسولؐ کی اطاعت کرو، اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔

لوگو! آج رات تمھارے درمیان سے وہ شخص اٹھ گیا جس کی مثال نہ اگلوں میں تھی نہ بعد والوں میں ملے گی جس نے رسالت مآبؐ کی حمایت میں جہاد کیا۔

اپنی جان پیغمبرؐ پر قربان رکھی جب رسالتمآبؐ ان کو کفار و
مشرکین سے جنگ کرنے بھیجتے تھے تو جبرئیلؑ داہنی
جانب اور میکائیلؑ بائیں جانب ہوتے تھے میدانِ جنگ
سے اس وقت تک نہ ہٹتے تھے جب تک خدا ان کے
ہاتھ پر فتح نہ دے دے'' اس رات کو اس بہادر
بے مثل و یکتا نے وفات پائی' یہی رات ہے جس میں
عیسٰیؑ آسمان پر اٹھائے گئے۔ یوشع بن نون حضرت
موسٰیؑ نے بھی اسی رات انتقال فرمایا تھا۔

'' امیر المومنین نے مالِ دنیا سے نہ سونا چھوڑا نہ چاندی
ان کی جود و سخا سے صرف سات سو درہم بچ رہے
تھے' وہ بھی ایک خادم کی خریداری کے لئے رکھے تھے''۔

'' میں بشیر و نذیر کا فرزند ہوں۔ میں سراجِ منیر کا فرزند
ہوں۔ میں اس خاندان سے ہوں جسے خدا نے نجاست
سے دور اور پاک رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے جن کو معصوم
پیدا کیا ہے۔ میں ان اہلبیتؑ سے ہوں جن کی محبت
واجب کرنے کے لئے خدا نے وعدہ فرمایا۔

(ترجمہ) '' اے رسول کہہ دو میں تم سے کوئی سوال
نہیں کرتا' ما سوا اس کے کہ میرے قرابت داروں
سے محبت رکھو اور جو اس نیکی کو حاصل کرے گا اسکی
نیکیوں میں ہم زیادتی کرتے رہیں' خدا نے حسنہ سے
ہماری محبت مراد لیا ہے''۔

"لوگو! دُنیا فتنہ و فساد کی جگہ ہے، اس کی ساری نعمتیں زائل اور منتقل ہونے والی ہیں۔ خدا نے ہمیں دُنیا کے حالات سے مطلع کیا ہے، جزا و سزا کا وعدہ کیا ہے، تاکہ ہم عبرت حاصل کرتے ہوئے ظلم و فساد سے بچتے رہیں۔ قیامت کے دن ہم سے باز پرس نہ ہو سکے تم لوگ اس ناپائدار چند روزہ دُنیا سے محبت نہ رکھو، اپنے ارادوں کو صرف نیکیوں کے لئے وقف کردو۔ حضرت امیرالمومنینؑ کے حالات تم سے پوشیدہ نہیں ہیں، تم نے اُن کا حسنِ معاشرت اور حلم دیکھا ہے، خوب جانتے ہو کہ اپنی زندگی تم لوگوں میں کس طرح بسر کی۔ اور جب وقت آ پہنچا تو تسلیم و رضا کے ساتھ جام شہادت نوش کیا۔ اور اپنے اہلِ بیتؑ کو تم میں چھوڑ گئے۔ میں حسنؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ ہوں، تم میری بیعت کرلو تو میں ظاہر و باطن سختی و مصیبت میں تمہارا ساتھ دوں گا بشرطیکہ تم لوگ بھی میرے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ کرو، جس کے ساتھ میں جنگ کروں تم بھی اس سے جنگ کرو جس سے میں صُلح رکھوں، اس سے تم بھی صلح رکھو۔"

امام حسنؑ کا یہ وہ خطبہ ہے جس کے بعد چالیس ہزار افراد نے آپؑ سے بیعت کی۔

معاہدۂ امن کے بعد امام حسنؑ کا ایک خطبہ ملتا ہے جو امامؑ نے عمرو بن العاص

کے اصرار پر ایسے وقت دیا جب امیر معاویہ ان کے تمام کارندے اور اہل کوفہ کے رؤسا موجود تھے۔ آپؑ نے فرمایا۔

"اے لوگو! خداوند عالم نے تم کو ہمارے جد بزرگوار سید الانبیاء محمد مصطفےٰ کے ذریعہ سے ہدایت فرمائی۔ آنحضرتؐ نے تم کو ضلالت و جہالت سے نکالا اور ذلیل ہونے کے بعد تمہیں معزز فرمایا۔ یہ درست ہے کہ اس امر میں جو مجھ سے مخصوص تھا معاویہ نے مجھ سے تنازعہ کیا، جب میں نے کوئی یاور نہ پایا، بہ خیالِ اصلاح اور حفظ خون ہائے امت خود دست بردار ہوا۔ تم نے مجھ سے بیعت اس امر پر کی تھی کہ جس سے میں صلح کروں تم بھی صلح کرو اور جس سے میں جنگ کروں تم بھی جنگ کرو۔ اور میں نے مصلحت و منفعت امت کی اسی میں دیکھی کہ اس سے صلح کروں، میں نے حفظِ مردم کو اس خون ریزی سے بہتر سمجھا اور میری غرض تمہاری اصلاح تھی اور جو کچھ میں نے کیا وہ تم پر حجت ہے (جلاء العیون)

سید الصالحین کے مؤلف عارف حسین نے اپنی تالیف کے صفحہ ۸۵ پر امام حسنؑ کے خطبہ کا ایک حصہ یوں درج ہے۔

"لوگو! آگاہ رہو، پرہیزگاری سے زیادہ کوئی دانائی نہیں۔ فسق و فجور سے بڑھ کر کوئی بے وقوفی نہیں اگر آج تم مشرق سے مغرب تک تلاش کرو گے

تو ایسا شخص جس کا نانا محمد مصطفےٰؐ، باپ علی مرتضیٰؓ ماں رسولؐ خدا کی بیٹی ہو۔ میرے اور میرے بھائی حسینؓ کے سوا کوئی دوسرا نہ ملے گا۔ تم نے میرے نانا سے ہدایت حاصل کی، کفر کی تاریکی سے نکلے اس مرتبے پر پہنچے۔ اللہ نے میرے نانا کے طفیل میں تم کو ذلت کی پستی سے نکال کر عزت کے بلند مرتبے پر پہنچایا ہے۔ پہلے گمنام تھے، اب تمام خلق میں مشہور ہو گئے۔ پہلے تعداد کم تھی اب زیادہ ہو گئی۔ یہ امر تمام لوگوں پر ظاہر ہے کہ میرے نانا کی خلافت میرے باپ کا حق تھا، اس کے بعد میرا حق ہے۔ اب میں نے فتنہ و فساد رفع کرنے کے لئے اُمّت کو آسائش کے خیال سے اس اپنے واجبی حق حکومت پر خاموشی اختیار کر کے سلطنت دوسرے کے حوالے کر دی ہے۔ اور جنگ و جدل بند کر کے مسلمانوں کو خوں ریزی سے بچانے کی کوشش کی ہے تم مجھے ملامت کرتے ہو کہ میں نے حکومت غیر مستحق کو دے دی۔ یہ سچ ہے۔ مگر میری نیت صاف اور ارادہ نیک ہے۔ امت کی بھلائی اسی میں نظر آئی۔ فتنہ کا انسداد اسی صورت سے ہو سکتا تھا۔

امام حسنؓ کے زورِ خطابت کا واقف

تو ان کا زمانہ یقیناً ہوگا۔ جب ہی تو حضرت علیؓ کو ان پر ایسا اعتماد تھا کہ اہلِ کوفہ کو جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے آپ کو بھیجا گیا تھا۔ تاہم امامؓ کے ان چند خطبات سے اس زمانے کے تاریخی پس منظر اور لوگوں کے طرزِ فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم نے چند خطبات ہی سے مدد لی ہے۔

کتابیات

کتاب	مصنف	کتاب	مصنف
تاریخ حسن مجتبیٰ	پروفیسر خواجہ محمد لطیف انصاری	امیر معاویہ	انیس زکریا نصولی
سرو چمن	نوتن بلگرامی	تاریخ الشیعہ	محمد حسین جعفری
الحسن	ایم اے شاہد	آئمہ اثنا عشر	علی حیدر
سید الصالحین	مولانا عارف حسین	عثمان غنی رض	عباس محمود العقاد
مروج الذہب	مسعودی	یزید تاریخ کے آئینہ میں	ابوالنصر قدسی
تاریخ طبری	طبری	حضرت علیؑ	طٰہٰ حسین
تاریخ ابن خلدون	ابن خلدون	حسنؑ ابن علیؑ	سید آل احمد رضوی
تاریخ الخلفاء	سیوطی	مولانا مودودی کے تصورات	فیروز الدین منصور
علی ابن ابی طالبؑ	پروفیسر سید اختر رضا زیدی		
علی مرتضیٰؑ	ابوالنصر	امیر معاویہ تاریخ کے آئینے میں	ذوالقرنین زیدی ہما
امیر معاویہ	محمود احمد ظفر	علیؑ	عباس محمود العقاد
سیرت عائشہ رض	مولانا سید سلیمان ندوی	عثمان ذوالنورین	مولانا سعید احمد اکبر آبادی
تاریخ خوارج	عمر ابوالنصر	تاریخ احمدی	نواب احمد حسین
الہلال ہادیہ	کامل مرزا پوری	شہادت	ڈاکٹر علی شریعتی
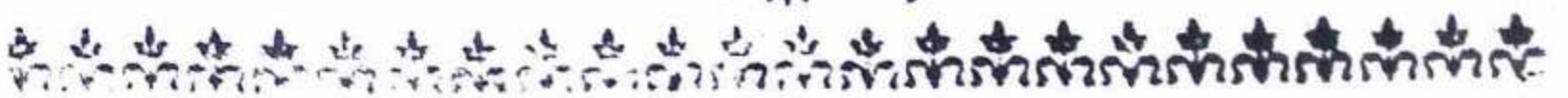
مطبوعات ادارۂ احیاء تراث اسلامی

۱۔	ہاں دوست ایسا ہی تھا	ڈاکٹر علی شریعتی	۸/- روپے
۲۔	مستقبل کی تاریخ پر ایک نظر	" "	۶/- "
۳۔	حضرت امام جعفر صادقؑ اور مکتب تشیع	عقیقی بخشائیشی	۳۰/- "
۴۔	فاطمہؑ، فاطمہؑ ہے	ڈاکٹر علی شریعتی	۴۰/- "
۵۔	چہار زندانِ انسان	" "	۱۰/- "
۶۔	اسلام اور وقت کے تقاضے	استاد شہید مرتضیٰ مطہری	۵۰/- "
۷۔	حضرت امام حسنؑ ان کے عہد کا سیاسی و ثقافتی تجزیہ	نیر ندیم	۳۰/- "
۸۔	تحریفاتِ واقعہ عاشورہ	استاد شہید مرتضیٰ مطہری	۳۵/- "
۹۔	ارکانِ اسلام کی زمانہ حال میں توجیہات	سید شہنشاہ جعفری (ایڈووکیٹ)	۶/-
۱۰۔	واقعہ کربلا تاریخی تجزیہ کی روشنی میں	سید محمد تقی	زیر طبع
۱۱۔	مسلمان عورت سے دور حاضر کے تقاضے	ڈاکٹر علی شریعتی	"
۱۲۔	سوانح حیات امام خمینی	رجب علی مزروعی	"

THE FOUNDATION FOR THE REVIVAL
OF ISLAMIC HERITAGE

اسٹاکسٹ: فون ۶۸۳۹۲۴
احمد اسٹیشنرز و بک سیلرز، اسٹاکسٹ و جنرل آرڈر سپلائرز
۱۸/۲۰-۸، فیڈرل بی ایریا۔ کراچی ۳۸